(۷۹)

سُورۂ نازعات

مکۂ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۴۶) آیات ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کو سورۂ ساہرہ اور سورہ طآمہ بھی کہتے ہیں۔
اس بنا پر کہ یہ نئے کلمات اس میں آئے ہیں۔ کسی چیز کے نام زیادہ ہونا اس کے شرف
اور علو درجت کی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں:۔ انہا نزلت عقب
سورۃ عم۔ یہ سورۃ شریفہ عم یتساءلون کے بعد ہی یعنی اس کے متصل نازل
ہوئی۔" اسی سے اس کی مناسبت سورت ماقبل سے ظاہر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو
پایا جاتا ہے کہ عم یتساءلون میں جو مضامین بیان فرمائے گئے خصوصاً آخری آیات
کریمہ میں انا انذرناکم عذابا قریبا کے ذریعہ جو کچھ بیان ہوا اسی مضمون کو یہاں
قسموں کے ذریعہ اس پر زور دیکر تاکیداً بیان فرمایا جارہا ہے۔ کذا فی البحر المحیط۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے"

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ 79-1 79-2 79-3

۷۹ (آیات ۱-۵)

9-4
9-5

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ قسم ہے (جان) گھسیٹنے والوں کی ڈوب کر، اور (جان) نکالنے والوں کی بند کھول کر، اور تیرتے والوں کی تیزی کے ساتھ پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر، پھر تدبیر کرنے والوں کی ہر امر کی بابتہ "(کہ تم ضرور زندہ کرکے اٹھائے جاؤگے)۔

تمہید | نازعات، ناشطات، وغیرہا جن کی قسم کھائی جا رہی ہے اور جن کو بطور گواہ لایا جا رہا ہے اس کی تفسیر میں جمہور فرماتے ہیں کہ اس سے فرشتوں کی جماعتیں مراد ہیں البتہ ان کی تفصیل و تخصیص میں اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے:۔ مال بعضھم الی تخصیص النزع بارواح الکفار والنشط والسبح بارواح المومنین (روح المعانی) بعض مفسرین کرام کا میلان اس طرف ہے کہ نزع یعنی گھسیٹ کر جان نکالنا جو پہلی آیہ کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے یہ کفار کی روحوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نشط یعنی بندھن کھول دینا یا نشاط یعنی خوشی کے عالم میں بسہولت جان نکال لینا، اور سبح (یعنی تیزی کے ساتھ چشم زدن میں جان نکال کر) اس کو تیرتے ہوئے لیجانا، یہ لطف و مرحمت مومنین کے ساتھ مختص ہے" اور جمہور مفسرین کے ساتھ ہم نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

والنازعات غرقاً کی تفسیر | ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا قسم ہے

ان جماعت ملائکہ کی جو کفار کے بدن میں گھس کر ان کی جان کھینچتے ہوئے گھسیٹتے ہوئے نکالتے ہیں۔" چنانچہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں :-

والنازعات غرقا قال هي الملائكة تنزع ارواح الكفار ... ما بين الاظفار والجلد حتى تخرجها۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر) والنازعات غرقا سے فرشتے مراد ہیں جو کافروں کے ناخنوں اور جلد کے درمیان سے (ایک ایک عضو کی) جان گھسیٹ گھسیٹ کر نکالنا شروع کرتے ہیں تا آنکہ (پورے جسد سے) ان کی جان نکال لیتے ہیں۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کی مزید تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں :-

ينزعها ملك الموت من تحت كل شعرة ومن الاظافير واصول القدمين ويردّدها في جسده بعد ما ينزعها حتى اذا كادت تخرج ردها جسده فهذا عمله بالكافر۔ (مظہری) ملک الموت (اور ان کے اعوان و مددگار کافر کی) جان ہر بن مو یعنی ایک ایک رونگٹے کے نیچے سے، اور ناخنوں اور پاؤں کے سرے سے گھسیٹ گھسیٹ کر نکالتے جاتے اور پھر اس کو اس کے بدن میں واپس کرتے جاتے ہیں اور جب روح بدن کو پوری طرح چھوڑ دینے کی نوبت آتی ہے تو پھر اس کو اس کے جسد میں واپس کرتے جاتے ہیں۔ کافر کے ساتھ یہی عمل جاری رکھ کے آخر اس کی جان نہایت شدت کے ساتھ نکال لیتے ہیں۔"

کافر کا عالم نزع حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث میں کافر کے نزع روح کی کیفیت اس طرح بیان ہوئی ہے کہ حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

انّ العبد الکافر اذا کان فی انقطاع من الدنیا تنزل الیہ من السماء ملائکۃ سود الوجوہ معھم المسوح فیجلسون منہ مدّ البصر ثم یجیئ ملک الموت حتی یجلس عند رأسہ فیقول ایّتھا (النفس الخبیثۃ) اخرجی الی سخط من اللہ قال فتفرق فی جسدہ فینزعھا کما ینزع السفود من الصوف المبلول فیاخذھا فاذا اخذھا لم یدعھا فی یدہ طرفۃ عین حتی جعلوھا فی تلک المسوح ویخرج منھا کنتن ریح جیفۃ۔ وفی روایۃ وینزع نفسہ مع العروق (امام احمدؒ) دنیا سے کافر کے قطع تعلق کا وقت جب آپہنچتا ہے تو آسمان سے فرشتے سیاہ چہروں میں اترتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے اس کو ایسے فرشتے ہی فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے اور کہتے ہیں:۔ اے نفس خبیث! اللہ کے غضب اور اس کی ناراضی کی طرف نکل۔ (اب اس کی جان اس کے جسد سے چمٹ جاتی ہے) پھر فرشتے اس کے جسم میں گھس جاتے ہیں (غرقاً سے یہی مراد ہے) اور اس کی جان سختی سے کھینچ کھینچ کر نکالتے جاتے ہیں، جیسے

بھیگے ہوئے نمدے سے کسی سیخ کو نکالا جاتا ہے۔ پھر اس کی جان کو لیتے ہی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ پلک جھپکنے کے برابر بھی اس کو اپنے ہاتھ میں رہنے نہیں دیتے۔ اس طرح اس کی جان جو نکلتی ہے اس میں سڑے ہوئے مُردار کی سی بدبُو رہتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اس کی جان اس کی رگوں سمیت نکال لی جاتی ہے۔" مقاتل کہتے ہیں:۔ ملک الموت واعوانہ ینزعون روح الکافر کما ینزع السفود الکثیر الشعب من الصوف المبتل۔ (مظہری) ملک الموت اور ان کے اعوان و مددگار کافر کی جان اس طرح نکال لیتے ہیں جیسے کسی شاخوں بھری سیخ کو بھیگے ہوئے نمدے میں سے بڑی شدت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔"

ایک شبہہ کا حل یہاں فرشتے سیاہ چہروں میں آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی اصلی صورتیں ہی ایسی ہیں۔ نہیں نہیں فرشتے تو نورانی مخلوق ہیں نہایت خوب صورت۔ مگر وہ جب کفار کے پاس آتے ہیں تو ایسی ڈراؤنی بھیانک صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ سنا ہوگا کہ زنانِ مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو بے ساختہ بول اٹھیں:۔۔۔۔

حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم۔ خدا کی قسم! یہ بشر نہیں۔ ہو نہ ہو ایک باعزت فرشتہ ہیں۔" بات یہ ہے کہ جب ان کو کفار کی روح قبض کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنی شکل اس طرح تبدیل کرکے جائیں۔ فرشتوں کیلئے

شکل بدلنا اتنا ہی آسان ہے جتنا ہمارے لئے تبدیل لباس کرنا بلکہ اس سے بھی سہل تر۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ کفار کے لئے نزع کی یہ سختی اس بنا پر ہے کہ ان کو آخرت کا انکار تھا۔ موت کے وقت جب ان پر عالم آخرت کھل جاتا ہے تو اس کا یقین ہونے لگتا ہے اب ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی جان نکلنے نہ پائے اس لئے کہ اب تک وہ جس عالم میں تھا عالم آخرت کے مقابلے میں بہت آرام سے تھا۔ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ جہاں دوسرے عالم میں قدم رکھا گرفتار عذاب ہوا۔ اس لئے اس کی جان بدن سے چمٹ جاتی ہے۔ مگر فرشتے اس کو چھوڑتے کہاں ؟ ناخنوں اور جلد اور اس کے مسامات کی راہ سے اسکے جسم میں گھس جاتے اور ہر حصۂ بدن سے اس کی جان نکال لاتے ہیں۔

کافر کا حال برزخ میں پھر اس پر کیا گزرتی ہے اس کو بھی سن لیجئے :—

و یضیق علیہ قبرہ حتی تختلف اضلاعہ و یأتیہ رجل قبیح الوجہ و قبیح الثیاب نتن الریح فیقول ابشر بالذی یسوءك ھذا یومك الذی کنت توعد فیقول من انت فوجھك الوجہ تجیئ بالشر فیقول انا عملك الخبیث۔ (امام احمدؒ) اور اس پر اس کی قبر تنگ سے تنگ تر کر دیجاتی ہے تا آنکہ اس کی پسلیاں ایک دوسری سے مل جائینگی اور اس کے پاس ایک شخص نہایت بدصورت بہت ہی برے لباس میں آئیگا جس کی بدبو سے ناک نہیں ٹھہرتی ہوگی۔ وہ

کہیگا سُن لے وہ خبر جو تجھے ہمیشہ بُری لگتے رہے۔ تیرا وہ دن جس کا تجھ سے وعدہ دیا جاتا رہا یہی دن ہے۔ وہ پوچھیگا تو کون ہے کہ تیری صورت ایسی (تیرا لباس یہ اور تجھ سے ایسی بدبو آرہی) ہے؟ وہ کہیگا میں تیرا ہی عمل خبیث ہوں۔" اللہ اکبر۔

والناشطات نشطاً کی تفسیر وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا۔ اور (قسم ہے) جان نکالنے والوں کی بند کھول کر۔" یہ ایمان دار بندوں کی جان نکالنے والے فرشتوں کی طرف اشارہ ہے ان کو گواہ ٹھہرایا جارہا ہے جو مومن کے پاس خوشی خوشی آتے اور اس کے دل پر نشاط پیدا کرتے' اس کو خوش خبری سناتے اور اس کی روح اس طرح نکالتے ہیں ادھر بندھن کھولا اور ادھر مومن کی روح قفس عنصری سے بسہولت تمام نکلی اور عالم بالا کی طرف پرواز پر مائل ہوئی۔ حضرت براء بن عازبؓ کی اسی حدیث طویل میں ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات نے ارشاد فرمایا:۔ ان العبد المؤمن اذا کان فی انقطاع من الدنیا واقبال من الآخرۃ تنزل الیہ الملائکۃ بیض الوجوہ کان وجوھم الشمس معھم کفن من اکفان الجنۃ وحنوط من حنوط الجنۃ حتی یجلسوا منہ مد البصر ثم یجیئ ملک الموت علیہ السلام حتی یجلس عند رأسہ فیقول ایتھا النفس المطمئنۃ اخرجی الی مغفرۃ من اللہ ورضوان قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرۃ من السقآء

فیأخذھا فاذا أخذ ھا لم یدعھا فی یدہٖ طرفۃ عین حتی یاخذ ھا فیجعلھا فی ذلک الکفن وفی ذلک الحنوط ویخرج کاطیب مسلک (امام احمدؒ) یقین جانو کہ جب بندۂ مومن دنیا سے منقطع اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے نورانی چہروں میں نزول کرتے ہیں جن میں سے ایک ایک کا چہرہ آفتاب کی طرح درخشاں ہوتا ہے، ان کے ساتھ جنتی کفن اور جنتی عطریات ہوتے ہیں وہ اس کے پاس اس کثرت سے آبیٹھتے ہیں کہ جہاں تک نظر جاتی ہے فرشتے ہی فرشتے ہوتے ہیں۔ پھر ملک الموت (حضرت عزرائیلؑ) تشریف لاتے اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔ اے اطمینان وسکون نصیب جان! اللہ سبحانہ کی بخشایش اور خوشنودی کی سمت چل، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بس ساتھ ہی وہ یہ نکلتی ہے جیسے کسی بھری ہوئی مشک سے پانی بہتا جاتا ہے۔ پھر فرشتے اس کو لے لیتے ہیں جب اس کو لے لیا تو چشم زدن بھی اپنے ہاتھ میں نہیں رکھنے پاتے فوراً اس کو اس کفن میں لپیٹ لیتے اور ان عطریات میں بسا دیتے ہیں اور اس کو لے نکلتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہترین مشک لئے جا رہے ہیں۔" جکی مہک سے تمام عالم معطر ہو جاتا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے یہ اس بنا پر ہے کہ مومن دنیا کو ایک طرح کا قید خانہ تصور کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف ہے:۔ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر۔

دنیا مومن کے حق میں جیل خانے کی طرح ہے اور کافر کے حق میں جنت کے مانند۔ مومن کو دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جیسے کسی قیدی کو قید خانے سے ہوتا ہے۔ قید خانہ کتنا ہی وسیع اور آراستہ ہو اور اس میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا سامان مہیا رہے مگر انتہائی آرزو یہی رہتی ہے کہ اس کی میعاد کب ختم ہوگی اور وہ کب وہاں سے خلاصی پائیگا۔ دنیا میں سیاسی قیدیوں کا حال دیکھ لیجئے کہ حکومت ان کو صرف ایک احاطہ میں روک رکھتی ہے باقی ان کے آرام و آسائش کا انتظام و اہتمام اس درجہ کیا جاتا ہے شاید ان کو اپنے گھروں میں بھی نصیب نہ ہو۔ مگر قید، قید ہی ہے۔ سلب آزادی سب سے بڑی سزا ہے۔ خیر یہ تو انسان ہیں۔ جانوروں کو دیکھئے کسی پرندے کو پنجرے میں ڈال دیا گیا ہو تو وہ بھی اس موقع کا منتظر رہتا ہے کہ پنجرے کا دروازہ کب کھلے اور وہ وہاں سے پرواز کر کے کب اپنے آشیانے میں جا بیٹھے۔ اب آپ اس کی پرورش اور نگہداشت کا کیسا ہی بہتر انتظام و اہتمام رکھیں مگر اس پرندے کو اس سے کچھ بھی دلبستگی نہیں۔ عارف رومی فرماتے ہیں:۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگار وصل خویش

یہی حال مومن مخلص کا ہوتا ہے کہ جب اس کا وقت آخر آتا ہے تو وہ فوراً چل کوچ کیلئے خوشی خوشی تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی جان قفس عنصری سے رہائی پاتی اور رفیق اعلیٰ سے

جا ملتی ہے۔

حضرت ابوالحازم تابعیؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا یہ کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں اور مرنے کو تیار نہیں۔ فرمایا لانکم عمرتم الدنیا وخربتم الآخرۃ یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے دنیا کو آباد کر رکھا ہے اور آخرت کو ویران رکھ چھوڑا ہے، تم نہیں چاہتے کہ آباد بستی کو چھوڑ کر ویران و کھنڈر مقام کو اپنا مستقر بناؤ۔

پھر اس شخص نے حضرت ممدوح سے دوسرا سوال کیا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں بندوں کی حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا' اما المحسن فکالغائب علی اھلہ واما المسئی فکالآبق علی مولاہ۔ یعنی نیک بخت ایسے آئیں گے جیسے سفر پر گیا ہوا آدمی خوشی خوشی اپنے اہل و عیال میں لوٹتا ہے اور بدبخت کی مثال ایک بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہوگی جو پکڑا جکڑا اپنے مولا کے حضور میں لایا گیا ہے۔

مومن کی خوشحالی برزخ میں فیفسح لہ فی قبرہ مد بصرہ و یأتیہ رجل حسن الوجہ حسن الثیاب طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرك ھذا یومك الذی کنت توعد فیقول لہ من انت فوجھك الوجہ تجیئ بالخیر فیقول انا عملك الصالح۔ (امام احمدؒ) پھر اس کی قبر مد بصر تک کھول دی جاتی ہے اور اس کے پاس ایک شخص خوب صورت' خوش پوش' مہکتی ہوئی خوشبو والا

آتا اور کہتا ہے کہ آپ کو بشارت ہو جس سے آپ کو ہمیشہ مسرت حاصل ہوتی رہے۔ یہ آپ کا وہی دن ہے جس کا وعدہ آپ سے دیا جاتا رہا ہے۔ وہ کہیگا آپ کون ہیں جن کا چہرہ اتنا حسین خوب صورت ہے جس کو چہرہ کہنا چاہیئے جو ہر طرح کی بھلائی اور خیریت ساتھ لائے ہیں۔ وہ شخص کہیگا میں آپ ہی کا نیک عمل ہوں۔"

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا۔ اور (قسم ہے) تیرنے والوں کی تیزی کے ساتھ" پھر آگے بڑھنے والوں کی دوڑ کر۔ پھر تدبیر کرنے والوں کی ہر امر کی بابتہ۔"

یہ تیرنے والے سبقت کرنے والے اور امور کی تدبیر کرنے والے کون ہیں' اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین کی ارواح قبض کرنے کے لئے جو فرشتے خاص طور پر آئے تھے وہ روح قبض کرنے کے بعد ملاء اعلیٰ کی طرف جو صعود کرتے ہیں یہاں ان مخصوص فرشتوں کا بیان فرمایا جارہا ہے اس صورت میں مضمون ماقبل کے ساتھ اس کا ربط ظاہر ہے۔

ان کے اوپر چڑھنے کی تعبیر سبح یعنی تیرنے کے ساتھ اس لئے فرمائی گئی کہ زمین اور آسمان کے درمیان جو فضائے بسیط ہے اس میں روانی پانی میں تیرنے کے مشابہ ہے۔ نیز سبح کے معنی ہیں:۔ المر السریع فی الماء والھواء۔ پانی یا ہوا میں سے تیزی کے ساتھ گزرجانا۔" یا یہ کہ یہاں عام فرشتے مراد لئے جائیں جو ہمیشہ عظمت و جلال الٰہی کے

دریاؤں میں تیرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح عظمت و جلال الٰہی کی کوئی حد نہیں اسی طرح ان کے تیرنے کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ہمیشہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بہرحال یہاں خاص فرشتے مراد ہوں یا عام ان کی قسم کھا کر ان کو گواہ ٹھہرایا جا رہا ہے۔

سابحات ارواح مومنین ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ سابحات و سابقات سے مومنین کی ارواح مراد ہیں چنانچہ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

ھی انفس المؤمنین تسبق الی الملائکۃ علیھم السلام الذین یقبضونھا و قد عاینت السرور شوقا الی لقاء اللہ تعالیٰ۔ (روح المعانی) سابحات و سابقات، ایمان والوں کی روحیں ہیں جو ان کے قبض کرنے والے فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں جس حالت میں کہ انہوں نے سامان مسرت (جو فرشتوں کے ساتھ ہے) اس کا مشاہدہ کر لیا تو اللہ سبحانہ سے ملنے کے شوق میں (دریائے رحمت میں تیرتی ہوئی اور ایک دوسرے سے مسابقت کرتی ہوئی) آگے بڑھتی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ والسابحات سبحا ارواح المومنین لما عاینت ملک الموت وقال اخرجی ایتھا النفس المطمئنۃ الی روح و ریحان ورب غیر غضبان سبحت سباحۃ الغائص فی الماء فرحا و شوقا الی الجنۃ فالسابقات سبقا قال تمشی الی کرامۃ اللہ (جویبر) سابحات، ایمان داروں کی ارواح ہیں جب

وہ ملک الموت کو دیکھ لیتی ہیں تو وہ ان ارواح کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے سکون و اطمینان والی جان! ہر قسم کی راحت اور خوشگوار روزی اور پروردگار کی طرف چل جو غضب ناک نہیں (بلکہ تجھ سے خوشنود اور رضامند ہے) تو وہ کمال مسرت سے ایسی تیزی کے ساتھ نکل آتی ہے جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہوا بغیر کسی روک ٹوک کے چلا آتا ہے۔ پھر سابقات اس آمد میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتی اور اللہ سبحانہ کی قدردانی واکرام کی طرف لپکتی اور دوڑتی ہیں۔"

ارواح کے مدارج اور ان کے آثار امام فخر الدین رازیؒ سابحات، سابقات اور مدبرات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ارواح کے مراتب اس دنیائے دنیہ سے بھاگنے اور عالم علوی میں پہنچ جانے کو چاہنے میں مختلف ہیں۔ دنیا سے نفرت اور عالم علوی سے الفت جس کو جتنی زیادہ ہوگی اس کی روح بدن سے علحدہ ہوتے ہی اتنی ہی تیزی کے ساتھ عالم علوی سے جا ملیگی۔ اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:— ثم ان ھذہ الارواح الشریفۃ العالیۃ لایبعد ان یکون فیھا مایکون بقوتھا وشرفھا یظھر منھا آثار فی احوال ھذا العالم فھی المدبرات امرا الیس ان الانسان قد یری استاذہ فی المنام ویسألہ عن مشکلۃ فیرشدہ الیھا الیس ان الابن قد یری اباہ فی المنام فیھدیہ الی کنز مدفون الیس عن جالینوس

قال کنت مریضا فعجزت عن علاج نفسی فرأیت فی المنام واحد ارشدنی الی کیفیۃ العلاج آلیس ان الغزالی قال ان الارواح الشریفۃ اذا قویت بعد انہا ثم اتفق انسان مشابہ للانسان الاول فی الروح والبدن فانہ لا یبعد ان یحصل للنفس المفارقۃ تعلق بھذا البدن حتی تصیر کالمعاونۃ للنفس المتعلقۃ بذلک البدن علی اعمال الخیر فتسمی تلک المعاونۃ الھاما و نظیرہ فی جانب النفوس الشریرۃ وسوسۃ وھذہ المعانی وان لم تکن منقولۃ عن المفسرین الا ان اللفظ محتمل لھا جدا۔ (تفسیر کبیر)

پھر ان ارواح شریفہ عالیہ سے (عالم ملکوت میں شامل ہو جانے کے بعد) کچھ بھی مستبعد نہیں کہ ان کے اس شرف اور قوت کی بدولت اس عالم کون و فساد کے احوال میں بھی ان سے آثار ظاہر ہوں اور وہ اس عالم کے امور کی تدبیر کرتے ہیں اور اپنے فیوض و برکات سے اپنے متوسلین کو مستفیض فرماتے ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ انسان کبھی اپنے شیخ اور استاد کو خواب میں دیکھتا اور ان سے اپنی مشکلات کا اظہار کرتا ہے اور وہ اپنے ارشاد سے اس کا حل بتا دیتے ہیں۔ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ بیٹا اپنے مرحوم باپ کو عالم رویا میں دیکھ لیتا ہے اور وہ اس کو زمین میں دفن کی ہوئی دولت کا پتہ بتا دیتا ہے کیا جالینوس حکیم کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ مشہور نہیں ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار

ہوگیا تھا اور بہت کچھ علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا تو اس نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا
اور اس نے طریقہ علاج کی رہنمائی کی (جس سے وہ شفایاب ہوگیا) کیا حضرت امام غزالی
رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ ارواح شریف جب اس قفس عنصری کو چھوڑ دیتے ہیں
پھر ان کو کوئی آدمی مل جاتا ہے جو جسمانی اور روحانی اعتبار سے ان کے ساتھ مشابہت
رکھتا ہے تو کیا بعید ہے کہ ان کو اس مشابہ شخص کے ساتھ نوع تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے
اور وہ اعمال خیر میں اس کے مدد معاون بنے رہیں۔ اور یہ معاونت اس کے حق میں
الہام کا کام دے۔ اسی طرح شریر ارواح کا حال ہے (کہ وہ اپنے مشابہ اشخاص کے ساتھ
لگاؤ پیدا کر لیتے اور ان کو شرارت پر ابھارتے ہیں) یہ ان کے حق میں وسوسہ کا حکم
رکھتا ہے۔ بہر حال ان آیات بینات والسابحات سبحا فالسابقات سبقا
فالمدبرات امرا میں) اس مضمون کی طرف اشارہ کی پوری پوری گنجائش موجود ہے"

ارواح طیبہ کا فرشتوں سے الحاق علامہ شہاب آلوسی نے یہاں ایک قول نقل
کیا ہے:۔ فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات
ای ملحقة بالملائکة او تصلح هی لان تکون مدبرة کما قال الامام انها
بعد المفارقة قد تظهر لها آثار واحوال فی هذا العالم (روح المعانی)
ارواح طیبہ قفس عنصری کو چھوڑتے ہی عالم قدس کی طرف سبقت کرتی اور اپنے شرف و

قوت کی بدولت تدبیر امور کرنے والے فرشتوں کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ یا خود ان میں یہ صلاحیت
پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ (حکم الٰہی کے مطابق) تدبیر امور میں (ملائکہ مدبرات کی طرح) مشغول
ہو جائیں۔ جیسا کہ امام (فخر الدین رازیؒ) نے فرمایا کہ ارواح شریفہ عالیہ سے مفارقت
بدن کے بعد اسی عالم میں بھی کبھی آثار و احوال تدبیر ظاہر ہوتے ہیں۔" **علامہ آلوسی**
اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ **ولذا قیل ولیس بحدیث کما توھم اذا تحیرتم**
فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور ای اصحاب النفوس الفاضلۃ
المتوفین ولا شک فی انہ یحصل لزائرھم مدد روحانی ببرکتھم
وکثیرا ما تنحل الامور بانامل التوسل الی اللہ تعالی بحرمتھم (روح المعانی)
اور اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے جو حدیث نہیں ہے بلکہ بزرگان دین کا مقولہ ہے
اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور جب تم اپنے معاملات میں
حیران رہ جاؤ تو اصحاب قبور کی مدد چاہو۔ یعنی وفات پائے ہوئے نفوس فاضلہ سے۔
اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ ان کی زیارت کرنے والوں کو ان کی برکت سے
روحانی مدد حاصل ہوتی ہے اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ان کے وسیلہ سے اللہ سبحانہ کی
طرف رجوع کیا جائے تو مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔"

ارواح شریفہ سے آثار کا ظہور | علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:۔ ــــــــ

ثم ان النفوس الشریفة لا یبعد ان یظہر منہا آثار فی ہذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان او لا فتکون مدبرات۔ الا تری ان الانسان قد یری فی المنام ان بعض الاموات یرشده الی مطلوبه ویری استاذه فیسألہ عن مسئلة فیحلہا لہ سئل زرارة بعد ان توفی رضی اللہ عنہ فی المنام ای الاعمال افضل عندکم قال الرضی وقصر الامل وعن بعضہم رأیت ورقاء بن بشر رحمہ اللہ فی المنام فقال ما فعل اللہ بک قال نجوت بعد کل جہد قلت فای الاعمال وجدتموہا افضل قال البکاء من خشیة اللہ وقال بعضہم ہلکت جاریة فی الطاعون فرآہا ابوہا فی المنام فقال لہا یا بنیة اخبرینی عن الآخرة قالت یا ابت قد منا علی امر عظیم نعلم ولا نعمل وتعملون ولا تعلمون واللہ لتسبیحة او تسبیحتان او رکعة او رکعتان فی صحیفة عملی احب الیّ من الدنیا وما فیہا ونظائرہ کثیرة لا تحصی۔ (روح البیان) پھر نفوس شریفہ سے مستبعد نہیں ہے کہ اس عالم میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوں خواہ وہ قفس عنصری کو چھوڑ چکے ہوں یا اسی میں محبوس ہوں وہ تدبیر عالم کے کام انجام دیتے رہتے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انسان کبھی خواب دیکھتا ہے کہ بعض گزرے ہوئے لوگ بھی اس کو راہ بتا دیتے ہیں۔ کوئی اپنے استاد کو دیکھ کر کوئی

مسئلہ دریافت کرتا ہے اور وہ اسکو حل کر دیتا ہے۔ حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے خواب میں پوچھا گیا کہ آپ صاحبین کے ہاں (یعنی آخرت میں) کونسا عمل افضل ترہے؟
تو فرمایا۔ راضی برضا رہنا اور آرزوؤں کو کوتاہ کرنا۔" کسی نے ورقاء بن بشر رحمۃ اللہ
علیہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟
تو جواب دیا کہ بڑی مشکل سے نجات ملی۔ ان سے کہا کہ آپ نے وہاں کون سے عمل کو سب سے
افضل تر پایا؟ تو فرمایا خشیت الٰہی سے زاری کرتے رہنا۔" طاعون میں ایک لڑکی کا
انتقال ہو گیا اس کے باپ نے اس کو خواب میں دیکھ کر کہا:۔ جان پدر! مجھے احوال
آخرت کی کچھ خبر دو۔ اس نے کہا۔ ابا جان! ہم کو ایک عظیم الشان معاملہ درپیش ہوا۔
ہم جو کچھ جانتے تھے اس پر عمل پیرا نہ تھے۔ اور آپ لوگ عمل کرتے ہیں مگر جانتے نہیں"
(اس سے معلوم ہوا کہ علم بلا عمل اور عمل بلا علم کچھ نہیں) قسم بخدا! ایک دو تسبیحات
یا ایک دو رکعات، جو صحیفۂ اعمال میں درج ہوں وہ بھی دنیا و مافیہا سے کہیں بہتر ہیں۔"
اس جیسے واقعات جن کی ارواح اس قفس عنصری کو چھوڑ چکی ہیں اس کثرت سے ہیں جو شمار
میں نہیں آسکتے۔"

ارواح طیبہ کے خوارق عادات پھر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔ وقد
یدخل بعض الاحیاء من جدار ونحوہ علی بعض من لہ حاجۃ فیقضیہا

وذلك على خرق العادة واذا كان التدبير بيد الروح وهو في هذا الموطن فكذا اذا انتقل منه الى البرزخ بل هو بعد مفارقة البدن اشد تاثيرا وتدبيرا لان الجسد حجاب في الجملة الا ترى ان الشمس اشد احراقا اذا لم يحجبها غمام او نحوه۔ (روح البیان) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زندہ اشخاص کسی حاجت مند کے پاس دیوار وغیرہ سے نفوذ کرکے پہنچ جاتے اور اس کی حاجت روائی کردیتے ہیں۔ ایسا معاملہ بطور خرق عادت اور کرامت کے ہوتا ہے۔ بہرحال تدبیر امور (حکم الٰہی سے اس کی مرضی کے مطابق) جب ارواح کو حاصل ہے اور وہ روح اس جسد عنصری میں رہ کر بھی ایسی تدبیر کرسکتی ہے تو وہ جب یہاں سے جسد کو چھوڑ کر برزخ میں منتقل ہوجائے تو اس حالت میں بھی ایسی تدبیر سے قاصر نہیں رہ سکتی۔ بلکہ مفارقت بدن کے بعد روح کی تاثیر اور تدبیر قوی تر اور تیز تر ہوجاتی ہے کیونکہ روح کے حق میں یہ جسد خاکی ایک طرح کا حجاب ہی ہے۔ کیا آفتاب کو نہیں دیکھتے کہ جب اس پر ابر وغیرہ کا حجاب حائل نہ ہو تو اس کی سوزش سخت تر ہوتی ہے" بہ نسبت اس کے کہ کوئی حجاب حائل ہو۔

قوم سے خطاب سلسلۂ کلام بہت دراز ہے۔ نیز جو کچھ نقل کیا گیا یہ بھی کچھ کم نہیں اتنا بھی صرف اس لئے لکھا گیا کہ یہ دور مادیت کی ترقی کا ہے۔ اور ہر شخص ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کا عادی ہوگیا ہے جس کی وجہ سے روحانیت کا تقریباً انکار ہی کیا

جارہا ہے۔ مادیت کی ترقی کا دور جب سے شروع ہوا اس کا مضر اثر اہل علم کی ایک جماعت پر بھی پڑے بغیر نہ رہ سکا۔ ان اصحاب نے اس پر غور نہیں کیا کہ مادہ کی حیثیت روح کے مقابلہ میں ایک فضلہ کی سی ہے۔ جب مادے میں یہ صفت موجود ہے کہ اس سے ایسے محیر العقول کام انجام پا سکتے ہیں تو روح جو اس کے مقابلے میں نہایت ارفع و اعلیٰ ہے اس کے کارنامے کیسے کچھ ارفع و اعلیٰ ہونگے؟ روح انسانی بدن میں موجود تھی اور بدن کی حیثیت اس کے حق میں ایک قید خانے سے زیادہ نہ تھی تو اس محبوس روح کی بدولت اس بدن سے کیسے کیسے علوم و فنون، سلوک و عرفان، اختراعات و ایجادات ظہور میں آسکے تو اس قید خانے سے آزاد ہونے اور رہائی پانے کے بعد روح کی نورانیت اور لطافت کا کیا عالم ہوگا اور اس سے کیا کیا کام انجام پا سکتے ہیں اس پر بھی تو غور کیجئے۔

تدبیر عالم ملائکہ سے یہ امر مسلم ہے کہ امور عالم کی تدبیر اللہ سبحانہ نے ملائکہ کرام سے متعلق فرمائی ہے اور فالمدبرات امرا کے ذریعہ اس کی وضاحت فرما دی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ هم الملائكة الذين وكلوا بامور عرفهم الله عزوجل العمل بها (بغوی) تدبیر امور کرنے والے وہ فرشتے ہیں جن کو خدائے عزوجل نے امور عالم پر مقرر فرمایا اور ان کو انجام دینے کے لئے

ایک ایک امر کی شناخت کرادی "کہ فلاں سے یہ کام اور فلاں سے یہ امر متعلق رہے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰنؒ بن سابط فرماتے ہیں:۔ یدبر امر الدنیا اربعة جبرئیل و میکائیل وملک الموت واسرافیل (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) دنیا کے جملہ امور کی تدبیر جبرئیل، میکائیل، ملک الموت اور اسرافیل علیہم السلام فرماتے ہیں" اور حضرت ابن عطیہ فرماتے ہیں:۔ لا احفظ خلافا فی انھا الملائکة (روح المعانی) تدبیر امور کرنے والے سب فرشتے ہیں اس میں مفسرین کا کوئی اختلاف میرے حافظے میں محفوظ نہیں ہے" اور اوپر یہ بتلا دیا گیا کہ ارواح شریفہ بدن سے جدا ہونے کے بعد فرشتوں سے ملحق ہوجاتے ہیں تو ان کا تدبیر امور میں حصہ لینا خود بخود ثابت ہوگیا اور اس میں کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ حالانکہ انسان کا فرشتوں سے ملحق ہوجانا اور تدبیر امور کرنا انسانیت کا منتہائے کمال نہیں، انسانیت تو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ مسجود ملائک ہے۔ فافھم وتدبر۔

قیامت برحق ہے بہرحال نازعات، ناشطات، سابحات، سابقات اور مدبرات کی قسم کھاکر اور ان کو گواہ ٹھہرا کر یہ بتانا منظور ہے:۔ لتبعثن اے انسانو! تم کو مرنے کے بعد ضرور بضرور دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائیگا" یعنی جواب قسم لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے۔ بعث و نشر کا خواہ کوئی کتنا ہی انکار کرے اس کا

اپنے مقررہ وقت پر آنا برحق ہے۔ یہ وقت کسی کو بتایا نہیں گیا لیکن اس کی علامات اور نشانیاں بتا دی گئی ہیں جب ایک ایک نشانی دیکھتے جاؤ تو یقین کرتے جاؤ کہ اب اس کی آمد کا وقت آ رہا ہے۔ وہ نشانیاں کیا ہیں؟ ان میں سے بعض کی نشاندہی فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ قُلُوبٌ 79-6 79-7

یَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ جس دن کانپنے لگے کانپنے 79-8 79-9

والی اس کے پیچھے آئیگی پیچھے آنے والی کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی۔"

۷۹ (۶ - ۹)

عہ قولہ تعالیٰ واجفۃ۔ یقال وجف القلب وجیفا اضطرب من شدۃ الفزع وکذلک وجب وجیبا۔ (روح المعانی) محاورۂ عرب ہے وجف القلب وجیفا یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ شدت کی گھبراہٹ سے دل دھڑکنے لگے۔ وجب وجیبا کے بھی یہی معنی ہیں۔" راغب لکھتے ہیں:۔ الوجیف سرعۃ السیر واوجفت البعیر اسرعتہ قال فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب قیل اوجف فاعجف ای حمل الفرس علی الاسراع فھزلہ بذلک قال قلوب یومئذ واجفۃ ای مضطربۃ (مفردات) تیز رفتار کو وجیف کہتے ہیں چنانچہ اونٹ کو تیز چلاتے ہیں تو کہتے ہیں اوجفت البعیر۔ ارشاد باری ہے: فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ یعنی بنی قریظہ میں تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ سواریوں کو تیز کیا۔" اور یہ بھی کہا گیا ہے:۔ اوجف فاعجف یعنی گھوڑے کو دوڑا دوڑا کر لاغر کر دیا۔" ارشاد باری ہے:۔ قلوب یومئذ واجفۃ یعنی اس دن دل دھڑکتے ہونگے۔" یعنی اسدن دلوں کی حرکت تیز سے تیز تر ہو جائے گی۔

زلزلوں کا آنا علامت قیامت

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ترجف الراجفة رجفا وتزلزل باھلھا وھی التی یقول اللہ یوم ترجف الراجفة تتبعھا الرادفة یقول مثل السفینة فی البحر تکفأ باھلھا مثل القندیل المعلق یا رجائہ۔ (ابوالشیخ ابن مردویہ)

آیہ کریمہ یوم ترجف الراجفة تتبعھا الرادفة سے مراد یہ ہے کہ کانپنے والی اور تھرتھرانے اور لرزنے والی خوب کانپنے اور تھرتھرانے اور لرزنے لگیگی تو اپنے اوپر اور اندر جو جو چیزیں ہیں ان سب میں زلزلہ پڑجائے گا جیسے سمندر میں کشتی یا جہاز ہوتا ہے تو سمندر کا پانی ہلتا رہوا رہنے سے کشتی بھی ہلتی رہتی ہے اور کشتی میں جو چیزیں ہوتی ہیں وہ بھی سب ہل کر الٹ پلٹ ہوجاتی ہیں یا جیسے قندیل کسی ایک کنارے پر لٹکی ہوئی ہو تو (وہ ہوا سے) جھونکے کھاتی رہتی ہے۔" مطلب یہ کہ قیامت کے قریب زلزلہ آتا رہیگا جس سے تمام عالم تہ و بالا ہوجائیگا۔ گویا زلزلوں کا ایک سلسلہ قائم ہوجانا قیامت کی علامت ہے۔

قرب قیامت میں ذکر اللہ کی اہمیت

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذھب ربع اللیل قام فقال یا ایھا الناس اذکروا اللہ اذکروا اللہ جاءت الراجفة تتبعھا الرادفة

جاء الموت بما فیہ۔ (امام احمدؒ، ترمذی، عبدبن حمید، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو اٹھ جاتے اور فرماتے کہ لوگو! اللہ کی یاد کرو، اللہ کی یاد کرو، ہلا دینے والی چیز آ گئی، اسکے پیچھے آنے والی بھی پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ یعنی موت اپنے لوازم کے ساتھ آ کھڑی ہوئی ہے" نماز عشا کی اس طرح تیاری فرمائی جاتی تھی۔

راجفہ اور رادفہ نفخ صور ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ هما الصيحتان اما الاولى فتميت كل شيئ باذن الله واما الاخرى فتحيي كل شيئ باذن الله (عبدبن حمید) کپکپی پیدا کرنے والی اور اس کے پیچھے آنے والی چیز سے مراد دو صور ہیں (جو یکے بعد دیگرے پھونکے جائیں گے ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا) پہلے صور پر ہر چیز حکم خدا سے فنا ہو جائیگی اور دوسرے صور پر ہر چیز اللہ سبحانہ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو جائے گی" حضرت حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

زلزلے نفخ صور کے نتائج حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ ترجف الارض والجبال وهى الزلزلة تتبعها الرادفة قال دُكتا دكة واحدة۔ (عبدبن حمید، بیہقی) ساری زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے۔ در اصل یہ ایک زبردست زلزلہ ہے

اس کے بعد پھر ایک زلزلہ ہوگا جس سے تمام زمین اور اس کے پہاڑ چور چور ہو جائینگے"۔
یعنی جب صور پھونکا جائیگا تو روئے زمین پر زلزلہ آجائیگا یہاں تک کہ پہاڑ بھی کانپنے
اور لرزنے لگیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے"۔ راجفہ
اور رادفہ سے مراد نفخ صور ہو یا زلزلہ ان دونوں میں منافات نہیں ہے نتیجہ
دونوں تفسیروں کا ایک ہی ہے۔ نفخ صور سبب ہے زلزلہ کا صور پھونکا جائے گا تو
اس سے ساری زمین تہ و بالا ہو جائیگی۔ پہلے صور پر زمین کے موجودات فنا ہو جائینگے
اور دوسرے صور پر سب کے سب دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ
جب روئے زمین کی کائنات پہلی آواز پر فنا اور دوسری پر سب زندہ ہو جائیگی تو
ان کے قلوب کا کیا حال ہوگا اس کو بیان فرمایا جارہا ہے:۔

قیامت میں کفار کی سراسیمگی | قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ اَبْصَارُهَا
خَاشِعَةٌ۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہونگے کہ یہ کیا ہو گیا۔ کفار کہینگے کہ دوبارہ زندہ ہونیکا
ہم سب مدۃ العمر انکار کرتے رہے نہ اللہ سبحانہ کی کتابوں کو مانا اور نہ پیغمبروں کے
فرمانے کو تسلیم کیا۔ آخر کار آج انہی کی باتیں صحیح ثابت ہوئیں اور وہی روز بد ہمارے
حق میں پیش آیا۔ اب جو جو پیشین گوئیاں اس سلسلہ میں سنائی گئی تھیں وہ سب ایک
ایک کر کے ہمارے سامنے آئینگی اور بہت بری صورت حال سے ہم کو سابقہ پڑیگا۔

اب مارے ندامت اور شرم کے ان کی نظریں نیچی ہو جائینگی اور گردنیں جھک جائینگی، لیکن اس ندامت اور شرم سے اب کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے کارآمد ہونے کا مقام حیات دنیا کا تھا۔ وہ موقع تو جاتا رہا۔ یہ حال منکرین اور کفار کا ہوگا اور جو مومنین مصدقین تھے وہ مطمئن رہیں گے۔ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔" لایحزنھم الفزع الاکبر وتتلقٰھم الملائکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ یہ عالمگیر گھبراہٹ ان کو غمگین نہ کریگی اور ان سے فرشتے یہ کہہ کر ملاقات کرتے جائیں گے کہ جس دن کا وعدہ تم سے کیا جاتا رہا وہ یہی ہے ہم تمہارے دوست اور مددگار حیات دنیا میں بھی تھے اور آج عالم آخرت میں بھی تمہارے معین و مددگار ہیں۔"

کفار و منکرین سے بعث بعد الموت کا یہ بیان اس توضیح و تشریح کے ساتھ جب کیا جاتا ہے تو اس کو تسلیم کرنے اور مان لینے کی جگہ ان کا کیا جواب ہوتا ہے اس کو آگے بیان فرمایا جا رہا ہے :—

يَقُولُونَ ءَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ[1] ۝ ءَإِذَا كُنَّا 79-10
عِظَامًا نَّخِرَةً[2] ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ کہتے ہیں کیا ہم 79-11
79-12

الٹے پاؤں لوٹائے جائیں گے درحالیکہ کھودی ہوئی قبروں میں (دفن) ہوں گے ؟ کیا جب ہم ہو چکیں ہڈیاں گلی ہوئی ؟ بولے یہ پلٹنا تو ہوگا نرا ٹوٹا "

قیامت کے بیان پر کفار کا تمسخر

یعنی کفار نہایت ہی استعجاب اور استبعاد

---

[1] حافرۃ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں لیکن حضرت مجاہد فرماتے ہیں :۔ الحافرة القبور المحفورة۔ (روح المعانی) حافرہ سے کھودی ہوئی قبریں مراد ہیں"۔ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے بعض دیگر اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] نخرة من نخر العظم ای بلی وصار اجوف تمر به الریح فیسمع له نخیر ای صوت (روح المعانی) محاورۂ عرب نخر العظم سے نخرۃ لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جبکہ ہڈی بوسیدہ ہو کر اندر سے کھوکھلی ہو جائے پھر ہوا چلے تو اس میں داخل ہو نیسے (سیٹی کی سی) آواز آنے لگے"۔

ع (۳) ۲۶۹۳ (نوٹ) ح

کے ساتھ کہتے ہیں کیا ہم پھر رجعت قہقری کر کے قبروں سے نکالے جا کر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور زمین پر لائے جائیں گے؟ پھر استہزاء و تمسخر کی راہ سے پوچھتے ہیں کیا جبکہ ہم قبروں میں گلنے سڑنے اور ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ اور چورچور ہو جانے کے بعد بھی تازہ و توانا ہو کر از سر نو زندہ کئے جائیں گے؟ کفار نے یہ بھی کہہ دیا کہ بالفرض اگر ایسا ہی ہوگا تو یہ ہماری دوبارہ واپسی کیا ہوئی نقصان ہی نقصان اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہ بھی محض ٹھٹے اور مذاق کے طور پر کہہ دیا ہے نقصان اور گھاٹے کو مان کر نہیں کہا بلکہ پیغمبر اور مسلمان ایسا کہتے ہیں لیکن یہ بات حقیقت سے دور ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں۔

79-13 79-14 فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۙ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۗ وہ تو صرف ایک
ڈانٹ ہوگی، پھر وہ یکایک روئے زمین پر آموجود ہوں گے۔

ع السّاھرۃ قیل وجہ الارض وقیل ھی ارض القیامۃ وحقیقتھا التی یکثر الوطء بھا فکانما سھرت بذلک اشارۃ الی قول الشاعر۔ ع

تحرک یقظان التراب ونائمہ والاسھران عرقان فی الانف (مفردات)

روئے زمین کو ساھرۃ کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ قیامت کی زمین ہے۔

قیامت کا جھٹکہ قیامت جس کا کفار انکار کرتے ہیں اور اس کو مستبعد خیال کرکے ہنسی مذاق میں اڑا رہے ہیں گو وہ کفار کے نزدیک بہت بڑی بات بلکہ محال سمجھی جاتی ہو لیکن ہمارے نزدیک اس کو قائم کرنا بالکل معمولی سی بات ہے اور ہماری قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ وہ تو ایک جھٹکہ ہے یا صرف ایک ڈانٹ اور جھڑکی۔ کسی کو ڈانٹنے اور جھڑکنے میں دیر نہیں لگتی وہ تو ایک آن کی بات ہے۔ ادھر ڈانٹ بتائی اور وہ ادھر آموجود ہوئی۔ اسی طرح ہم روز قیامت میں جب تمام زندوں کو مردہ کرنے یا مردوں کو زندہ کرنے کا حکم دیں گے تو ہمارے حکم کے مطابق ہر چیز ہو رہیگی۔ یعنی ایک نفخۂ صور میں سب کے سب مردہ ہو جائیں گے۔ اور دوسرے نفخہ میں تمام کے تمام زندہ ہوکر میدان حشر میں اکھٹے ہو جائیں گے۔ کچھ بھی دیر نہ لگیگی۔ کفار اسکو محال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور حقیقت میں ساھرہ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر آمد و رفت بکثرت رہتی ہے گویا وہ اس وجہ سے جاگتی ہی رہتی ہے۔ اس میں شاعر کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:۔ تحرك يقظان التراب وقائمه۔ یعنی (فوجوں کی نقل و حرکت سے) جاگتی اور سوتی زمین حرکت میں آگئی"۔ ناک میں دو رگیں ہوتی ہیں انکو اسھران کہتے ہیں" اس بنا پر کہ وہ ہمیشہ رات دن کام کرتی رہتی ہیں کبھی ان کو سکون نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

سمجھتے ہیں سمجھا کریں۔ ہمارے کسی کام کے لئے کوئی احتیاج نہیں کُن کے ساتھ ہی یکون
یعنی وہ پوری طرح تکمیل پا جاتا ہے۔ آگے اس کی ایک مثال پیش کیجارہی ہے۔

79-15 79-16 هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ إِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ
79-17 79-18 الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ
79-19 79-20 لَّكَ إِلٰٓى أَنْ تَزَكّٰى ۝ وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ فَأَرٰىهُ
الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ (اے نبی!) کیا آپ کو پہنچی ہے خبر موسیٰ کی جبکہ پکارا انکو
ان کے پروردگار نے پاک میدان میں طویٰ کے تم جاؤ فرعون کے پاس بے شک وہ
سرکش ہوگیا ہے پھر کہو کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے اور راہ بتاؤں تجھکو تیرے
رب کی پھر تجھکو اس کا ڈر لگتا رہے۔ چنانچہ (وہ اس کے پاس گئے) پھر اس کو بڑی
نشانی دکھائی۔"

حدیث موسیٰ | قیامت کے قائم ہونے کو کفار مکہ مستبعد خیال کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کی سرکشی اور طغیان سے دلگیر رہتے ہیں تو اللہ سبحانہ نے آپ کی تسلی خاطر اور قوم کی عبرت کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشہور واقعہ کی طرف آپ کی توجہ معطوف کرائی! ارشاد ہورہا ہے کہ اے نبی کریم! کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟ یہاں حیرانی تھی کہ

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو بہت سارے مشہور ہیں کس واقعہ کی جانب ایما فرمایا جا رہا ہے؟ تو ارشاد ہو رہا ہے۔ اجی وہ واقعہ جبکہ موسیٰ شہر مدین سے نکل کر مصر جا رہے تھے راستے میں جب وادی مقدس پہنچے تو رب العزت جل جلالہ سے ہم کلامی کی دولت سے مشرف ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ان کو حکم ہوا کہ موسیٰ! آپ فرعون کے پاس جائیے کیونکہ وہ سرچڑھ رہا ہے اور اس کی انانیت حد سے بڑھ گئی ہے۔ اس سے کہو کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنور جائے؟ اور کیا تجھے معرفت الٰہی کی راہ بتاؤں جس سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عظمت تیرے دل میں قائم ہو اور تیرا ہر کام صحیح طریقہ پر رہے اور تیرا ہر قدم خداوند کی رضا و خوشنودی میں اٹھے۔ جس سے تجھے دارین کی فوز و فلاح حاصل ہو؟ آپ نے ایسی سلجھی ہوئی تقریر نرمی و ملاطفت کے ساتھ اسلئے فرمائی کہ اللہ سبحانہ کا حکم ہی ایسا تھا چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے:۔ فقولا له قولا لينا۔ وہاں فرعون کے پاس جا کر اس سے نرم پیرایہ میں گفتگو کرنا۔

فرعون سے مشفقانہ گفتگو سُدّی کہتے ہیں:۔ قال موسیٰ یا فرعون هل لك في ان اعطيك شبابك لا تهرم وملكك لا ينزع منك وترد اليك لذة المناكح والمشارب والركوب واذا مت دخلت الجنة وتؤمن بي۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں تقریر فرمائی کہ فرعون! کیا تیرا جی چاہتا ہے کہ میں تیری

جوانی تجھ پر بحال کردوں اور تیری سلطنت تیرے ہاتھ سے نکل نہ سکے۔ نکاح کی لذت، کھانے پینے اور سواری کا لطف (جو جوانی میں تھا) وہ دوبارہ تجھ پر عود کر آئے۔ پھر مرنے کے بعد تو جنت میں رہے۔ (اس کی ایک ہی صورت ہے کہ) تو مجھ پر ایمان لائے" (اور میری باتوں کا یقین کرے)۔

فرعون کا تاثر اور ہامان کا گمراہ کن مشورہ

فوقعت فی نفسہ ھذہ الکلمات وھی اللینات قال لما انت حتی یأتی ھامان فلما جاء ھامان اخبرہ فعجزہ ھامان وقال تصیر تعبد اذ کنت ربا تعبد فذلک حین خرج علیھم فقال لقومہ وجمعھم انا ربکم الاعلی۔ (ابن ابی حاتم) یہ تقریر اس کے دل میں اتر گئی اور نرم گفتگو یہی تھی۔ یہ سن کر فرعون نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیں تا آنکہ ہامان آجائے۔ پھر جب ہامان آیا تو اس سے یہ ماجرا بیان کیا۔ ہامان نے اس کو فرعون کی کمزوری پر محمول کیا اور کہنے لگا تو خود رب کہلاتا ہے تیری پرستش ہوتی ہے، کیا اب تو بندہ بن کر پرستش کیا کریگا؟ اس گمراہ کن مشورہ کے بعد فرعون اپنی قوم کے آگے برآمد ہوا اور ان سب کو جمع کرکے کہا کہ میں ہی تمھارا سب سے بلند تر آقا و مالک ہوں"۔

آیت کبریٰ کی نمائش

پھر اس کے بعد کیا ہوا اوس کا بیان فرمایا جارہا ہے

فاراہ الآیۃ الکبریٰ ۔ یعنی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر معجزہ بتاؤں تو تو مجھ پر ایمان لائیگا؟ اس نے اس کو منظور کرلیا۔ اس پر آپ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ عصا کو زمین پر ڈال دینا ہی تھا کہ وہ ایک زبردست اژدہا بن گیا اور فرعون کے محل کی طرف گھورنا شروع کیا۔ فرعون اس سے بہت پریشان ہوا اور بدحواس ہوکر التجا کرنے لگا کہ موسیٰ! آپ نے یہ کیا کیا؟ ہم کو اس سے بچائیے۔ کہتے ہیں کہ اژدہے کو دیکھتے ہی قوم میں بھگدڑ مچ گئی اور سینکڑوں آدمی اس چپیٹ میں آکر ضائع ہوگئے۔ فرعون کی التجا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہے کو اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔ اس پر فرعون کہنے لگا کہ یہ کوئی معجزہ نہیں ہے بلکہ جادو کا کھیل ہے۔ ایسے جادوگر ہمارے ملک میں بہت ہیں ان سے مقابلہ کرلو جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:۔

فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا 79-21 79-22
رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ پھر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر (حق کے مقابلہ میں) کوشش کرنے 79-23 79-24
کے لئے پیٹھ پھیرلی پھر اس نے (سب کو) جمع کیا پھر اعلان عام کیا چنانچہ اس نے کہا
میں ہی تمہارا رب ہوں سب سے بلند مرتبہ والا۔"

موسیٰ کیساتھ فرعون کا مقابلہ	پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو جھٹلایا

(۷۹ النازعات آیت ۲۱ تا ۲۴)

اور ایمان لانے پر جو آمادگی ظاہر کی تھی اس کا خلاف کیا اور آپ کے بتائے ہوئے معجزے کا مقابلہ کرنا چاہا۔ آپ کی طرف سے منہ پھیر کر اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا اور حکم دیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر جادوگر ہیں ان سب کو جمع کیا جائے۔ جب وہ آموجود ہوئے تو منادی کے ذریعہ اعلان عام کیا کہ موسیٰ کہتے ہیں کہ وہ رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں حالانکہ تم سب کو معلوم ہے کہ تمہارا سب سے بلند مرتبت والا رب میں خود ہوں۔ مجھ سے بڑا اور بلند و برتر دوسرا رب کون ہو سکتا ہے؟

ادعائے رب اعلیٰ کی وضاحت تفسیر کاشفی میں ہے:۔ اصنام کہ بر صورت من اند ہمہ ایشاں خدایانند و من از ہمہ برترم۔ یہ بت (مجسمے اور پتلے جو ملک میں جا بجا نصب کئے گئے ہیں) جو میری صورت و شکل پر تراشے گئے ہیں یہ سب خدا ہیں اور میں ان سب سے بلند و برتر ہوں۔" چنانچہ فی زماننا بھی یہ امر شاہد ہے کہ چوراہوں اور لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات پر سرگروہان قوم کے مجسمے اور پتلے جا بجا کھڑے کئے گئے ہیں۔ نیز دفاتر، مدارس، اسٹیشنوں، دواخانوں وغیرہ پر تصویریں آویزاں کی جاتی ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اب کوئی ان کو خدا نہیں سمجھتا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کا اثر ہے کہ خدا کیا ہے اس کے صفات و افعال کیا ہیں انکی پوری پوری شناخت آپ نے کرادی۔ چنانچہ چودہ سو سال گزر رہے ہیں اب تک کسی نے نمرود اور

اور فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ لوگوں نے کسی انسان کو خدا تسلیم کیا۔
قد تبین الرشد من الغی۔ راہ نجات اور گمراہی دونوں کا فرق اچھی طرح واضح ہو چکا۔" اب کتنی ہی بڑی خوبصورت تصاویر یا مجسمے اور مورتیاں بنا بنا کر آویزاں کی جائیں یا منچ کے مقامات پر کھڑی کی جائیں لیکن ان کو ایک نقش یا پتھر ہی خیال کیا جاتا ہے ان کو کوئی خدا نہیں سمجھتا۔ ایسے کفر و شرک جلی سے تو عام طور پر نجات مل چکی ہے لیکن قدیم گمراہی کا کچھ نہ کچھ اثر باقی ہے۔ واللہ الموفق۔

منصور حلاج اور فرعون کا فرق

شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقبہ کیا تو ان کی روح کو علیین میں پایا۔ حیران ہو کر بارگاہ الٰہی میں مناجات کی۔ پروردگار من! یہ کیا ماجرا ہے کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا تو سجین اس کی روح کا مستقر ٹھہرا اور منصور نے انا الحق کا نعرہ لگایا تو ان کی روح کو علیین میں ٹھہرایا گیا ہے۔ انا الحق اور انا ربکم میں کیا فرق تھا؟ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے ندا آئی کہ فرعون انانیت اور خود بینی میں گرفتار تھا۔ کائنات میں جو کچھ ہے اور ہو رہا ہے اس کا کرتا دھرتا خود ہی کو خیال کیا اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعوی کرنے لگا۔ اور منصور نے ہم کو دیکھا اور اپنی ساری کائنات کی خودی کو گم کیا اور انا الحق کا نعرہ

بلند کیا۔ دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے" چنانچہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں :۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست   گفت منصورے انا الحق و برست

آں انا را لعنۃ اللہ در عقب   ویں انا را رحمۃ اللہ اے محب

زانکہ او سنگ سیہ بود ایں عقیق   آں عدوِ نور بود و ایں عشیق

ایں انا ھو بود در سر اے فضول   نہ ز رائے اتحاد و از حلول

79-25 فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
79-26 لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ پھر گرفتار کیا اس کو اللہ نے سزا میں آخرت کی اور دنیا

کی" بے شک اس میں سوچنے کی جگہ ہے جس کو ڈر ہے"

فرعون کا انجام اور درسِ عبرت یعنی فرعون اپنی اس انانیت اور تکبر کی سزا میں یہاں دنیا میں پانی میں غرق ہوا اور وہاں آخرت میں دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوا۔ فرعون کے دن دھاڑے ڈوبتے وقت اسکی بڑی بھاری فوج اسکے ساتھ تھی مگر اس کو غرق ہونے سے کچھ بھی نہ بچا سکی۔ نیز فرعون کے ساتھ اسکی پوری فوج بھی غرقاب ہوگئی۔ ہمارے حکم کے آگے ان سب کی کچھ نہ چل سکی۔ رہی آخرت کی سزا اس سے ان کو کون بچا سکتا ہے' وہ دن تو ایسا ہے کہ ہر کوئی شخص نفسی نفسی کہتا ہوگا۔ نہ کسی کی حکومت رہیگی نہ اس کا کوئی یار و مددگار۔ غور کرو کہ اللہ کے پیغمبروں کو

جھٹلانے والوں کا یہ حشر ہوا کہ چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر روز روشن میں اس طرح
ہلاک و برباد ہوا تو قیامت کا دن جب آئے گا تو صور پھونکا جانے کے ساتھ ہی اسی طرح ساری
دنیا تہ و بالا ہو جائیگی۔ فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم بالساھرۃ۔ قیامت بھی
ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہے کہ جھڑکی کے ساتھ ہی یا تو وہ اس عالم میں تھے یا اس عالم میں
پہنچ گئے۔ اسطرح دوسرے صور پر یا تو وہ عالم برزخ میں تھے یا دار آخرت میں منتقل ہو گئے۔
فرعون اور اس کے تمام لشکر کو پلک جھپکنے میں یہاں سے وہاں پہنچا دینا ہمارے لئے کوئی
مشکل کام نہ ہوا تو قیامت کا انقلاب کیونکر دشوار گزار ہو گا۔ دنیا تو آخرت کا نمونہ ہے
یہاں کا حال دیکھ کر آخرت کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔ مگر ایسا وہی کر سکتے ہیں جن کے
دل پر اللہ سبحانہ کی عظمت کا سکہ جما ہوا ہے۔ اور عظمت الٰہی کسی کے دل پر قائم نہیں ہو سکتی
جب تک کہ اس کو معرفت الٰہی حاصل نہ ہو۔ اِنَّمَا یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔
اللہ سبحانہ کی خشیت انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو اس کو جانتے ہوں " جاہل یا کوئی کندہ ناتراش
کیا جانے۔ یہی حال کفار قریش کا ہے کہ وہ نرے جاہل ہیں۔

فرعون کی بدانجامی معلوم تھی صخر بن جویریہ کہتے ہیں:۔ لما بعث اللہ موسی الی فرعون
قال اذھب الی فرعون انہ طغی الی قولہ واھدیك الی ربك فتخشی ولن
یفعلہ فقال موسی یارب کیف اذھب الیہ وقد علمت انہ لا یفعل

فاوحی اللہ الیہ ان امض لما امرت بہ فان فی السماء اثنی عشر الف ملکا یطلبون علم القدر فلم یبلغوہ ولم یدرکوہ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر) جب اللہ سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنا چاہا تو ان کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ کیوں کہ وہ بہت سر اٹھایا ہے۔ اس سے کہو کہ میں تجھے تیرے آقا اور رب کی راہ دکھاتا ہوں جس سے اللہ سبحانہ کی عظمت قائم اور اس کی خشیت تیرے دل میں پیدا ہو۔" (ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ) فرعون ایسا کبھی نہ کریگا۔ یعنی نہ وہ آپ کی بات مانے گا اور نہ آپ کی نصیحت کا اس پر کوئی اثر ہوگا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ پروردگار من! میں اس کے پاس کیسے جاؤں جب آپ کو خوب معلوم ہے کہ وہ نصیحت پزیر نہ ہوگا۔ اس پر آپ کے ہاں وحی الہٰی آئی کہ (موسیٰ! تم کو ان سب باتوں سے کیا کام؟) جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق روانہ ہو جاؤ (یہ اسرار قدر ہیں) آسمان میں بارہ ہزار فرشتے ایسے ہیں جو اسرار قدر (تقدیر کے راز) ڈھونڈنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن ان کو اس کا سراغ لگ نہ سکا اور نہ اس کا ادراک تک کر سکے۔" مطلب یہ ہے کہ علم الہٰی اور ہے اور اجرائے احکام اور شئی۔ اجرائے احکام کا کم ازکم یہ فائدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ مخاطب کو اس کے بعد چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ نیز یہ کہ علم الہٰی کسی کی قوت ارادی اور اس کے اختیار واقتدار کے لئے مانع ومزاحم نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے اختیار سے ہر کام کرتا اور اسکی

جزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۞ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۙ

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۠ کیا تمہارا بنانا مشکل تر ہے یا آسمان کا، اس نے

اس کو تو بنالیا، اونچا کیا اس کا ابھار، پھر اس کو ٹھیک کیا، اور اندھیری کی اس کی رات،

اور کھول نکالی اس کی دھوپ۔"

آسمانوں اور انسانوں کا فرق حدیث موسیٰ اور قصۂ فرعون کا بیان بطور تمثیل یا جملۂ معترضہ درمیان آگیا تھا۔ یہاں سے پھر اصل مضمون بیان احوال قیامت اور حشر و نشر کی

ع اغطش لیلها ای جعله مظلما۔ یقال غطش اللیل و اغطشه اللّٰہ تعالیٰ کما یقال ظلم و اظلمه و یقال ایضا اغطش اللیل کما یقال اظلم و جاء لیلة غطشاء و لیل اغطش و غطش قال الاعشیٰ ے عقرت لهم ناقتی موهنا + فلیلهم مدلهم غطش۔ و فی البحر عن کتاب اللغات فی القرآن اغطش اظلم بلغة انمار و اشعر۔ (روح المعانی) اغطش لیلها سے مراد یہ ہے کہ رات تاریک بنائی۔" محاورۂ عرب میں غطش اللیل و اغطشه اللّٰہ تعالیٰ کہتے ہیں جیساکہ ظلم و اظلمه کہا جاتا ہے۔ (مطلب یہ کہ یہ لازم اور متعدی دونوں طرح آتا ہے) اور اغطش اللیل بھی کہا جاتا ہے جیسے اظلم کہتے ہیں۔ اور محاورۂ عرب میں لیلة غطشآء اور لیل اغطش و غطش بھی مستعمل ہے۔ اعشیٰ شاعر کا قول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: میں نے ان مہمانوں کے لئے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے باوجود اپنی

اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ... وَأَهْدِيَكَ إِلَى رَبِّكَ فَتَخْشَى

بحر المحیط میں کتاب اللغات فی القرآن سے منقول ہے کہ اغطش بمعنی اظلم بنیلہ انمار و اشعر کی بول چال ہے۔" واللّٰہ اعلم۔

رجوع فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد ہورہا ہے کہ اے کفار مکہ! کیا تمہاری آفرینش جو مادہ سے ہوئی وہ سخت تر اور دشوار گزار ہے یا آسمانوں کا پیدا کرنا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ آدم کی آفرینش کا حال یہ ہے کہ آدم سے پہلے خاک، آب، ہوا اور نار یہ عناصر اربعہ موجود تھے۔ ان ہی عناصر اربعہ سے آدم کو بنایا گیا جس کا مادہ پہلے سے موجود تھا لیکن آسمانوں کی تخلیق جس وقت عمل میں آئی مادہ کا وجود نہ تھا۔ اقتضائے عقل وقیاس یہ ہے کہ خام مادہ سے کسی چیز کا بنانا دشوار نہیں لیکن جب کسی چیز کا مادہ ہی موجود نہ ہو تو اس کو بنانا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہماری قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ کچھ موجود نہ ہونے پر بھی ہم نے آسمانوں کو بنایا کتنا بلند و وسیع و عریض، بے ستون، صاف ہموار، مضبوط، کیسی اس کی ترتیب، کیسا اس کا باقاعدہ نظم کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس کا نظام قائم و برقرار ہے۔ پھر نہ صرف آسمانوں کو بنایا بلکہ اس کے علاوہ رات کی تاریکی اور دن کی روشنی بھی ہماری ہی قدرت سے وجود میں آئی۔ بہرحال کسی چیز کو بنانا اس کا مادہ موجود ہو یا نہ ہو دونوں ہمارے نزدیک کوئی دشوار نہیں۔ اور خود تم جس کو مادہ کہتے ہو وہ بھی ہمارا ہی بنایا ہوا ہے تو ایسی حالت میں تم کو قبروں سے دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا جبکہ تمہارا مواد موجود ہو ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۝ 79-30 79-31

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ اور زمین کو اس کے پیچھے 79-32 79-33

صاف بچھا دیا' اس زمین سے اس کا پانی باہر نکالا اور اس کا چارا (بھی) اور پہاڑوں کو گاڑ دیا' فائدے کے لئے تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے۔"

زمین اور اسکی برکتیں یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کیا کہ آسمانوں کو بنایا' اور تاریک رات اور روز روشن کو وجود بخشا بلکہ زمین کو صاف مسطح کر کے بچھا دیا' اسمیں سے ندی' چشمے' تالاب' نہریں نکالیں اور ساکنین ارض کے لئے دانے چارے کا انتظام فرمایا اور نظام ارضی کی برقراری کے لئے اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ کسی قسم کی لغزش زمین میں نہ پیدا ہو۔ یہ تمام کام اے اولاد آدم! تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کیلئے کئے گئے۔ تاکہ تم اس سے منتفع ہو کر اللہ سبحانہ کے احسانات کا شکر کرتے رہو۔

ایک شبہہ کا ازالہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان رجلا قال له آیتان فی کتاب اللہ تخالف احداھما الاخریٰ فقال انما اتیت من قبل رأیك اقرأ قل أئنكم لتكفرون بالذی خلق الارض فی یومین حتی بلغ ثم استوی الی السماء وھی دخان وقوله والارض بعد ذلك دحاھا قال خلق الارض قبل ان یخلق السماء ثم خلق السماء ثم دحی الارض بعد ما خلق السماء وانما قوله دحاھا بسطھا۔ (عبد بن حمید' ابن ابی حاتم)

ایک شخص نے ان سے (ابن عباسؓ سے) پوچھا کہ کتاب اللہ میں دو آیتیں ایسی ہیں جو

ایک دوسری کی مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے محض اپنی رائے ایسی قائم کرلی ہوگی پڑھو وہ کونسی آیات ہیں؟ اس شخص نے کہا ایک یہ کہ قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین سے وھی دخان تک (جس میں ارشاد ہو رہا ہے اے نبی کریم! آپ ان قریش مکہ سے فرمایئے کیا تم منکر ہو اس کے جس نے بنائی زمین دو دن میں اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب تمام جہانوں کا اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اس میں غذا وغیرہ انکی چار دن میں پورا جواب ہوا پوچھنے والوں کا پھر قصد کیا آسمان کا اور وہ دھواں تھا" ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنائے گئے) اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہے :۔ والارض بعد ذلک دحاھا۔ اور زمین کو آسمان کے پیچھے صاف بچھا دیا" اس سے پایا جاتا ہے کہ آسمان پہلے بنائے گئے اور زمین اس کے بعد۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ زمین کو آسمان سے پہلے بنایا اس کے بعد آسمان بنائے۔ پھر آسمانوں کو بنانے کے بعد زمین کو صاف بچھا دیا" بہرحال زمین کو پیدا کرنا جدا امر ہے اور اس کو صاف بچھا دینا جدا۔ زمین کی آفرینش آسمان کی آفرینش سے پہلے ہوئی اور زمین کا بسط یعنی اس کو پھیلانا اور بچھانا آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہوا۔ لہٰذا ان آیات میں کوئی تخالف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

معاشِ انسانی کا انتظام اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ "باہر نکالا اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارہ اور پہاڑوں کو گاڑ دیا' فائدے کے لئے تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے" یعنی زمین کے اندر سے پانی نکال باہر کیا۔ قدرتی چشمے جو زمین سے پھوٹ نکلتے ہیں' ندیاں' نالے اور اسی میں داخل ہیں کنوئیں جو تم زمین کو کھود کر نکالتے ہو اور نہریں جن کو انسان کاٹ کر نکالتے ہیں' نیز تالاب اور کنٹے جن کو لوگ بنا لیتے ہیں۔ اس کی تدبیر سکھائی۔ اس پانی کی بدولت نباتات اگتے ہیں' غلے' میوے' پھل پھول اور کیمیاوی جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں' گھنے درخت جو سایہ دیتے اور ان کے سوکھنے پر ان کی لکڑی سے عمارات تعمیر کئے جاتے۔ میز' کرسی' پلنگ' چوکیاں اور دیگر تمام کار آمد اشیاء بنائے جاتے اور کچھ نہیں تو لکڑی ایندھن بنانے اور جلانے کے کام آتی ہے۔ یہ تو انسان کی متاع منفعت کی چیزیں ہوئیں' ان کے پتے تمہارے چوپایوں کا چارہ اور ان کی غذا کا کام دیتے ہیں۔ اور چوپایوں سے تم اپنی ضروریات مایحتاج پوری کرتے ہو۔ پہاڑ ان کو زمین میں گاڑ دینے سے زمین ساکن ہو گئی۔ زمین کو پانی پر بچھا دینے کی وجہ سے زمین ہلتی تھی۔ پہاڑوں کی بدولت اس کو سکون میسر ہوا۔ اب تم اس پر آرام سے رہتے بستے چلتے پھرتے' سوتے جاگتے ہو۔ غور کرو یہ کیسی زبردست عظیم الشان نعمتیں ہیں جو تم کو

صفت دی گئیں۔ تم نے اس سے پیشتر کوئی عمل نہیں کیا تھا جو ان نعمتوں کو تمہارے اعمال کا صلہ تصور کیا جائے بلکہ یہ خلاق عالم کی خالص عطا ہے۔ یہ تمام کام تو ہم کریں اور تم ہمارا ہی انکار اور ہمارے رسولوں اور ہماری کتابوں کی تکذیب کر رہے ہو۔ اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو۔ اگر حشر و نشر نہ ہو تو ان تمام چیزوں کی آفرینش عبث ٹھہر گی۔ کیا تم کو اتنی عقل اور اتنی سمجھ بوجھ نہیں؟

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ 79-34 79-35
مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ پھر جب آئے وہ بڑا ہنگامہ 79-36
جس دن کہ یاد کریگا آدمی جو اس نے کمایا اور نکال ظاہر کر دیں دوزخ کو کہ جو چاہے دیکھے۔

عہ الطمّ البحر المطموم یقال له الطم والرم وطم علی کذا وسمیت القیامۃ طامۃ لذلک قال واذا جاءت الطامۃ الکبری۔ (مفردات) بھرے ہوئے ٹھاٹھیں مارنے والے سمندر کو طمّ کہتے ہیں اور اس کو طمّ و رمّ بھی کہتے ہیں۔ محاورہ ہے طمّ علی کذا۔ اس پر غالب آیا۔ قیامت کا نام طامّۃ اسی غلبہ کی وجہ سے رکھا گیا کہ وہ تمام آفات پر غالب ہے۔ ارشاد باری ہے فاذا جاءت الطامۃ الکبری۔ پھر جب آجائے سب سے بڑا ہنگامہ جو تمام ہنگاموں پر غالب ہوگا۔ یعنی قیامت کہ اس سے بڑا ہنگامہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ہنگامۂ محشر احوال معاش اور اسباب زندگی کے بیان کے بعد، احوال معاد یعنی قیامت اور حشر و نشر کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں اور حیات بعد الموت کو بعید از عقل خیال کرتے ہیں۔ ان کو اسی انکار و استبعاد کے جنجال میں پڑے رہنے دو۔ وہ مقررہ ساعت اپنے وقت پر آ رہیگی۔ پھر جب وہ ہنگامۂ رستخیز اٹھ کھڑا ہو گا جو دوسرے تمام ہنگاموں سے بڑا ہنگامہ ہو گا ایسا کہ نہ کبھی اس جیسا ہنگامہ کہیں دیکھا اور نہ کسی سے سنا۔ وہ اپنی شان میں سب سے نرالا ہی ہو گا۔ ایسا اس دن ہو گا جبکہ ہر آدمی اپنا کیا ہوا ایک ایک عمل صحیفہ اعمال کو دیکھ کر، یاد کرتا جائیگا کہ ہاں میں نے فلاں وقت ایسا کیا تھا، ایسا کہا تھا ایسا سمجھا تھا، ایسا خیال کیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ایک کر کے اس کو یاد آتا جائیگا۔ بعد اس کے کہ زیادہ مدت گزر جانے سے یا اپنی غفلت کے باعث، یا کاموں کی کثرت کی وجہ سے ان کو بھول گیا تھا۔ یہاں "الانسان" سے اگر کافر مراد لیا جائے تو چونکہ وہ اب تک قیامت کا منکر تھا اور جزائے اعمال پر عقیدہ نہیں رکھتا تھا۔ اب ایک ایک عمل پر جو اس کو یاد آتا جائے گا پچھتاتا رہیگا۔ اور پریشان ہوتا جائے گا۔ اور اگر "الانسان" سے تمام انسان مراد لئے جائیں خواہ نیک ہوں یا بد۔ تو عمر بھر کے برے کام یاد کر کر کے جس طرح کافر پریشان و پشیمان ہو گا۔ نیکوکار مومن خوش ہوتا جائیگا کہ اسکی ہر نیکی کی جزا ملنے کا وقت آ چکا جس کا وعدہ پیغمبروں کے ذریعہ سنایا گیا تھا اور اللہ سبحانہ کی

نازل کی ہوئی کتابوں میں لکھا تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے :- وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ۔ اور صاف ظاہر کر دی جائیگی دوزخ ہر اس شخص کے لئے جو دیکھتا ہو" دوزخ کا مقام اب تک چھپا ہوا تھا کسی نے اس کو دیکھا نہ تھا بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ نے بطور خاص کسی کو دکھا دیا ہو۔ جیسا کہ معراج شریف کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا مشاہدہ برأی العین کرا دیا گیا تاکہ امۃ مرحومہ کو اس کی تفصیلات سے قبل از قبل آگاہ فرما دیں اور وہ اس سے محفوظ رہنے کی تدابیر اختیار کریں۔ قیامت میں دوزخ کو اس طرح نمایاں کیا جائے گا کہ دوزخ اور اس کو دیکھنے والوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور نہ اس کے دیکھنے میں کسی قسم کی روک ٹوک ہو۔ جو کوئی اس کو دیکھنا چاہے بے تکلف دیکھ لے۔ یہ وہ وقت ہو گا جبکہ جہنم کی پیٹھ پر پُل (صراط) قائم کیا جائے گا اور ہر شخص کو اس پر سے عبور کرنے کا حکم ہو گا۔ مومنین تو اس پر سے دوزخ کا مشاہدہ کرتے ہوئے کالبرق الخاطف گزر جائیں گے یعنے ایک بجلی تھی کہ کوندتی ہوئی اس سمت سے اس پار گزر گئی مگر کفار اس پر قدم رکھتے ہی یا کچھ دور جانے کے بعد اس پر سے کٹ کٹ کر دوزخ میں گرتے جائیں گے العیاذ باللہ ۔

ہنگامۂ محشر کا وقت حضرت مجاہدؒ نے فرمایا :- اذا جاءت الطامة قال اذا دفعوا الی مالک خازن النار۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) ہنگامۂ قیامت کا وقت

وہ ہے جب کہ کافروں کو مالک نامی فرشتے کے حوالے کر دیا جائیگا جو دوزخ کا داروغہ ہے۔"
قاسم بن ولید ہمدانی نے فرمایا:۔ اذا سیق اھل الجنۃ الی الجنۃ واھل النار الی النار
(ابن ابی شیبہ ابن المنذر) جب جنتی لوگ جنت کی طرف اور دوزخی دوزخ کی طرف روانہ کر دیے
جائیں تو اس وقت یہ سب سے بڑا ہنگامہ رونما ہوگا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔
الطامۃ من اسماء یوم القیامۃ۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) طامۃ قیامت کے
ناموں میں سے ایک نام ہے۔" کیونکہ ہنگامۂ محشر سے بڑھکر اور کوئی ہنگامہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا
ہنگامہ نہ کسی نے کبھی دیکھا اور نہ کسی نے سنا۔ بہرحال جب یہ ہنگامۂ محشر بپا ہوگا تو اس کا
نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا بیان آگے آرہا ہے:۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰیۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ
الْمَاْوٰیؕ "پس جس نے سرکشی کی، اور ترجیح دی دنیا کی زندگی کو، تو دوزخ ہی ہے اس کا
ٹھکانا۔"

سرکشوں کا حشر قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک
گروہ ان لوگوں کا جو اللہ سبحانہ اور اس کے احکام کے مقابلے میں سرکشی دکھاتے رہے۔
اور راہ کفر اختیار کر کے آخرت کی ابد الآباد زندگی کے مقابلے میں اسی دو روزہ دنیا کی
فانی زندگی کو بہتر خیال کر کے اسی کو ہر معاملہ میں ترجیح دیتے رہے تو ظاہر ہے کہ ان کا ٹھکانا

دوزخ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہی طغیان اور سرکشی فرعون نے بھی دکھائی تھی اس کا کیا انجام ہوا ابھی ابھی سن چکے ہو کہ دم بھر میں دیکھتے دیکھتے اس کا اور اسکی ساری فوج کا کیا حشر ہوا؟ طغیان و سرکشی کی سزا اللہ سبحانہ کے پاس جو مقرر ہے اس کا قانون سب پر جاری ہوگا۔ فرعون کا وہ حشر ہوا تو اسکی اختیار کردہ راہ پر جو کوئی چلتا رہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا۔ فرعون کی فرعونیت، اللہ سبحانہ کے مقابلے میں اس کو نہ بچا سکی تو دوسرا کوئی جو سرکشی اختیار کرے اور جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہتر سمجھ کر آخرت کو پس پشت ڈال دے اور دنیا کی خواہشات اور ہوا و ہوس میں گرفتار رہے تو اس کو کون بچا سکتا ہے، فرعون کی طرح اس کا ٹھکانا بھی دوزخ ہی ہوگا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔

دنیا اور آخرت جمع نہیں ہو سکتے

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ من احب دنیاہ اضر آخرتہ ومن احب آخرتہ اضر دنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (امام احمدؒ، بیہقیؒ) جس نے اپنی دنیا کو محبوب رکھا تو اس نے اپنی آخرت کو ضرر پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب جانا تو اس نے اپنی دنیا کو متضرر کیا۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ترجیح دو اس کو جو باقی اور پائدار ہے مقابلے میں اس کے جو فانی اور ناپائدار ہے۔" وقت کم اور اعضاء و جوارح

کمزور ہیں اور سفر طویل اور زادِ آخرت بہت کچھ تیار کرنا ہے۔ اگر دنیائے دنی کے پیچھے لگے رہو گے تو وہ پوری طرح ہاتھ نہ لگیگی اور منزل کھوٹی ہو جائیگی۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ تحصیلِ دنیا کا خیال ترک کر دو اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہو۔ اور یہی طریقہ اولیائے کاملین کا ہے اور اسی میں نجات ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:—

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

جنت و دوزخ کے اسباب

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— حفّت النار بالشھوات وحفّت الجنۃ بالمکارہ۔ (صحیحین واللفظ لمسلم) دوزخ خواہشاتِ نفسانی سے گھری ہوئی ہے اور جنت مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔" اگر نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگے رہو گے تو یاد رکھو کہ یہ راہ دوزخ کی ہے۔ دوزخ ہی پر چل کر ختم ہو گی۔ اور اگر اس چند روزہ دنیا کی زندگی کو نفس پر جبر کر کے اس کی خواہشات کے خلاف لے چلو گے تو یہ راہ جنت کی ہے۔ تکالیف اٹھا اٹھا کر جنت میں جا پہنچو گے۔ جو ہر مومن کی بہترین آرزو ہے کسی نے کیا خوب کہا:—

گر از پئے شہوت و خواہی رفت — از من خبرے کہ بینوا خواہی رفت
بنگر کہ کسی و از کجا آمدۂ — مے دان کہ چہ می کنی کجا خواہی رفت

ذکر اللہ کی فضیلت حضرت ابوہریرہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ سرکار تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :۔ انّ الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ذکر اللّٰہ وما والاہ و عالم او متعلم ۔ (ترمذی، ابن ماجہ) دنیا اللہ سبحانہ کی رحمت سے دور ہے ۔ اور دنیا کی جتنی چیزیں یہاں کے تلذذ اور تعیش کی ہیں وہ بھی باری تعالیٰ شانہ کی رحمت سے دور ہیں ۔ بجز اللہ سبحانہ کی یاد کے یا جو اس سے قریب تر ہو ۔ اور "عالمِ دین یا طالب علم" جو علم دین کی جستجو اور طلب میں لگا ہوا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے ۔ جیسا کہ حضرت سعدی نے فرمایا :۔ ع ۔ جز یاد دوست ہر چہ بخوانی بطالت است ۔

79-40 وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ ۝ فَاِنَّ
79-41 الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ اور جو ڈرا ہوا اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہونے سے اور روکا اپنے آپ کو خواہشات سے تو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانا "

خدا ترسوں کا بیان یہاں سے بنی آدم کے دوسرے گروہ کا بیان فرمایا جا رہا ہے، یہ وہ مبارک گروہ ہے جس کو ہر دم یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ ایک دن اپنی عمر بھر کا حساب دینے کے لئے مجھے اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونا پڑیگا ۔ اگر میں آج اپنے نفس امارہ کی پیروی کروں گا اور اللہ جل شانہ کے حکم کی پرواہ کئے بغیر نفس کے اشاروں پر چلتا رہوں گا اور اس کی خواہشات کی تکمیل کی فکر میں لگا رہوں گا تو کل فردائے قیامت میں

اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں گا؟ بس اس ڈر کے مارے اس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکے رکھا۔ اور وہی کیا جس کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو ایسے مبارک گروہ کا کیا پوچھنا۔ ایسوں کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بیشک جنت ہی ان کا ٹھکانا ہے جہاں وہ ابدالآباد مقیم رہکر اللہ سبحانہ کی خوشنودی کے مزے لوٹتے رہیں گے۔

شان نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان الآیتین نزلتا فی ابی عزیز بن عمیر واخیه مصعب بن عمیر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه کان الاول طاغیا مؤثر الحیاۃ الدنیا وکان مصعب خائفا مقام ربه ناهیا النفس عن الهوی وقد وقی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بنفسه یوم احد حین تفرق الناس عنه حتی نفذت المشاقص فی جوفه فلما رأه علیه الصلاۃ والسلام متشحطا فی دمه قال عند اللّٰه احتسبك وقال لاصحابه لقد رأیته وعلیه بردان ما تعرف قیمتهما وان شراك نعله من ذهب۔

یہ دونوں آیتیں (یعنی فاما من طغی اور واما من خاف) ابو عزیز بن عمیر اور مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو بھائیوں کے باب میں نازل ہوئیں۔ ابو عزیز تو سرکش تھا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والا اور اسی کے بھائی مصعب بن عمیرؓ خدا ترس تھے۔

قیامت میں اللہ سبحانہ کے حضور میں حساب دینے کے لئے کھڑے ہونے سے خائف و ترساں رہتے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے والے' غزوہ احد کا موقع درپیش ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ایسے وقت موجود ہوئے جبکہ دوسرے یہاں سے اِدھر اُدھر جا چکے تھے۔ کافروں کی طرف سے حضور اکرم پر تیروں کی بوچھار شروع ہوئی تو مصعبؓ نے سینہ سپر ہو کر خود کو تیروں کا نشانہ بنایا اور تمام وار اپنی ذات پر لیتے رہے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مشاہدہ فرمایا کہ خون میں نہا گئے ہیں (اور زخموں سے چور ہو کر فدا ہو گئے تو) فرمایا کہ میں تمہارا اجر اللہ کے حوالے کرتا ہوں" اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے ابھی دیکھا کہ ان پر دو چادریں ہیں جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور انکی جوتیوں کے تسمے زر نگار ہیں"

مصعب بن عمیرؓ کا جوشِ اسلام

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے کمال ایمان اور جوش اسلام کا یہ حال تھا:۔ لما اسر اخوہ ابو عزیز ولم یشد وثاقہ اکراما لہ واخبر بذلک قال ما ھو لی باخ شد وا اسیرکم فان امہ اکثر اھل البطحاء حلیا و مالا۔ جب ان کا بھائی ابو عزیز نامی (جو کفار کیساتھ ہو کر غزوہ بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آیا اور یہاں گرفتار ہو گیا) تو مسلمانوں نے مصعبؓ کا بھائی ہونے کی خاطر اس کے مشکیں نہیں باندھیں۔ اس کی خبر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ہوئی تو

صاف کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ (تمہارا قیدی ہے) اپنے قیدی کی مشکیں باندھ دیجائیں۔ اس کی ماں، مکہ کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ مالدار اور زیور سے لدی ہوئی عورت ہے (وہ فدیہ دے سکتی ہے)۔" تفسیر کشاف میں یہ بھی لکھا ہے کہ مصعب رضی اللہ عنہ نے ابوعزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ برادری کا کوئی لحاظ نہ فرمایا۔ رضی اللہ عنہ (یہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ اس نے فدیہ دینے سے انکار کر دیا ہوگا)۔

ہوائے نفس کی مذمت هَوٰی ہے؛ میلان النفس الی ما تستھیہ وتستلذہ من غیر داعیۃ الشرع۔ نفس کا اپنی شہوت اور رغبت کی طرف مائل ہوتا جس کو وہ لذیذ جانتا ہو۔ شرع شریف کے حکم کا اس میں دخل نہ ہو" یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا:۔ ان اخوف ما اتخوف علی امتی الھویٰ وطول الامل اما الھویٰ فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرۃ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ خوف اور اندیشہ جو مجھے لگا ہوا ہے وہ ہوائے نفس اور طویل آرزوؤں کا ہے۔ ہوائے نفس کا اس لئے کہ وہ انسان کو حق سے روک دیتا ہے اور طویل آرزوؤں کا اس وجہ سے کہ وہ آخرت کو بھلا دیتی ہیں" چنانچہ مشاہدہ ہے کہ انسان جب ان میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پھر کہیں کا نہیں رہتا۔ نہ خواہش نفس کہیں رکتی ہے

اور نہ آرزوؤں کا سلسلہ کبھی ختم ہوتا ہے۔ نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

ہوائے نفس تباہ کن ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ثلاث مھلکات ھویً متبع وشحّ مطاع واعجاب المرءِ بنفسہ وھی اشدّھنّ۔ (بیہقی) تین چیزیں تباہ کن ہیں۔ ایک خواہش نفس جس کی پیروی کی جاتی رہے، دوسری بخل آمیز حرص جس کا حکم مانا جاتا ہو۔ اور تیسری خود پسندی اور یہ سب سے شدید تر ہے۔" موجودہ حالات پر نظر کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبھی ان میں گرفتار ہیں اِلاّ ماشاء اللہ۔ جدھر دیکھو ایک ایک شخص یا تو نفس امارہ کی خواہشات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے یا دنیا کی تحصیل پر حریص لیکن اس کو خرچ کرنے میں بخیل ہے یا خود پسند واقع ہوا ہے کہ اپنی عقل پر نازاں ہے اور تمام دنیا کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ اور یہ مرض سب سے سخت اور عالمگیر ہے اگر غور کیجئے تو یہ تینوں باتیں نفس امارہ کی پیروی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہوائے نفس ہی ان سب کا سرچشمہ ہے۔

متقین کی شان خدا ترس بزرگوں کا معاملہ ان سب سے سوا ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال معیار شریعت پر قائم رہنے کے باوجود وہ ہمیشہ اندیشناک رہتے ہیں کہ ہم سے یہ طاعت اور عبادت اگرچہ ہو سکی لیکن معلوم نہیں کہ

اس میں ریا و سمعہ کو تو کچھ دخل نہیں ؟ یا خود پسندی اور شہرت کا تو اس میں لگاؤ نہیں؟ فردائے قیامت، اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے رہنا ہو گا۔ اگر شائبہ ریا پایا گیا یا عجب و خود پسندی کا لگاؤ رہا تو یہ ساری محنت رائگاں اور ہماری طاعت و عبادت، درجہ قبولیت پر پہنچنے کے بجائے کہیں ہمارے منہ پر تو نہیں مار دی جائیگی؟ طاعت میں لگے ہوئے ہیں مگر اس پر غرہ نہیں۔ یوم الحساب سے پہلے اپنا محاسبہ آپ کرتے رہتے ہیں اور روزمرہ کے اعمال کا جائزہ لئے بغیر بستر پر دراز نہیں ہوتے کوئی خرابی پاتے ہیں اور قضا و اعادہ سے تلافی ممکن ہے تو اس کی تلافی کرتے اور آئندہ اصلاح حال کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر تلافی کی کوئی صورت نہیں پاتے تو توبہ و استغفار اور گریہ و زاری سے کام لیتے ہیں۔ اگر خود ان چیزوں پر غور نہیں کر سکتے تو اپنے شیخ سے رجوع کرتے ہیں اور وہ اصلاح کا طریقہ تلقین فرما دیتے ہیں۔ بزرگان دین کا یہی شعار رہا ہے اور ان آیات کریمہ میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے۔

یعقوب کرخیؒ کا واقعہ

حضرت یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نجاری کا کام کرتا تھا۔ ایک دن اپنے ظاہری کام میں سستی اور باطن میں بھی کچھ تاریکی پائی تو چند دنوں تک روزہ رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ

چنانچہ روزہ رکھ کر امام طریقہ نقشبندیہ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا شیخ نے کھانا منگوایا اور مجھے کھا لینے کا حکم دیا۔ اور فرمانے لگے:۔ بئس العبد عبد هوى تضلله وقال ان الاكل افضل من الصوم ان كان بهوى النفس۔ خواہشات نفسانی کا بندہ سب سے برا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے روزے سے افطار ہی اچھا ہے جو خواہش نفس کی بنا پر رکھا گیا ہو" اس وقت یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ نفل عبادت بھی اجازت شیخ کے بغیر مفید نہیں میں نے عرض کیا کہ کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو کیا کرے؟ اس پر فرمایا:۔ ليستغفر الله كثيرا وليستغفر بعد كل صلاة عشرين مرة فانه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه ليغان على قلبي واني لاستغفر الله كل يوم مائة مرة۔ (شیخ کامل میسر نہ ہو تو) اس کو کثرت سے استغفار کرنا چاہیئے۔ یا ہر فرض نماز کے بعد بیس ۲۰ مرتبہ استغفار پڑھ لینا چاہیئے کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر کچھ عوارض و شواغل آجاتے ہیں تو میں روزانہ ایک سو مرتبہ استغفار پڑھ لیا کرتا ہوں" ہر نماز کے بعد بیس تو پانچ نمازوں کے بعد ایک سو استغفار کی گنتی پوری ہو جاتی ہے۔ فرائض اور سنن سے فارغ ہو کر بیس بیس دفعہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَخَطِيْئَةٍ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

پڑھ لینا چاہیے۔

ترک ہوی کی اہمیت حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں:۔ انّ العبد لا یبلغ مبلغ الرجال حتی یخلص من الھوی وفی ھذا المقام یطلق علی العبد انّہ مومن حقیقی وھو المراد من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (بغوی) بندہ رجال اللہ کے درجہ تک پہنچ نہیں سکتا تا آنکہ وہ خواہشات نفسانی کی اتباع سے بالکلیہ نہ چھوٹ جائے اور اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہی اس کو مومن حقیقی کہا جاتا ہے اور حضور اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی یہی مراد ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کی تابع نہ ہو جائے" یہ حدیث شریف شرح السنۃ میں موجود ہے اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف صحیح ہے۔

ترک ہوی کا ادنیٰ درجہ خواہشات نفسانی کی اتباع سے اگر بالکلیہ نہ چھوٹ سکے تو اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس پر ملامت کرتا رہے تاکہ نفس امارہ کے پنجہ سے نکل جائے، اور اس کا نفس نفس لوامہ بن جائے۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ تلمیذ حضرت امام اعظمؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو یاد کیا

آپ تشریف لے گئے تو فرمایا کہ آج میری اہلیہ زبیدہ خاتون سے میں نے یہ کہا کہ میں عادل بادشاہ ہوں اور اس کا مقام جنت ہے۔ زبیدہ کہنے لگیں کہ تم تو اللہ کے عاصی ہو اور بندوں پر ظلم کرتے ہو پھر یہ دعویٰ۔ امام محمدؒ نے یہ سنکر فرمایا:۔ یا امیرالمومنین اذا وقعت فی معصیۃ فھل تخاف اللہ فی تلک الحال او بعدھا۔ امیرالمومنین! جب آپ سے کوئی معصیت سرزد ہوتی ہے تو اس حالت میں یا اسکے بعد آپ پر اللہ سبحانہ کا خوف بھی لگا رہتا ہے یا نہیں؟ ہارون رشید نے جواب دیا:۔ واللہ اخاف خوفا شدیدا۔ خدا کی قسم! مجھے تو بڑا خوف لگا رہتا ہے۔" اس پر حضرت امام محمدؒ نے یہی آیات پڑھ کر سنا دیں۔ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ جو کوئی اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے روکے رکھا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔" پھر فرمایا:۔ انا اشھدان لک جنتین لا جنۃ واحدۃ قال اللہ تعالی ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے لئے ایک نہیں بلکہ دو جنتیں ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ اس شخص کے لئے جس نے اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے کئے جانے سے ڈرتا رہا دو جنتیں ہیں۔"

سلطان عبدالملک کا واقعہ اسی طرح سلطان عبدالملک بن مروان کا واقعہ ہے کہ اس نے زاہدِ زمانہ حضرت ابو حازمؒ سے دریافت کیا کہ ابو حازم! فردائے قیامت میرا کیا حال ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر تو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتا ہے تو خود قرآنِ کریم تجھے اس کا جواب دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ قرآن کریم میں میرے سوال کا جواب کہاں ہے؟ تو ابو حازم نے فی الفور قرآن کریم کی آیات " فاما من طغی سے فان الجنۃ ھی الماوی " تک پڑھکر سنا دیں۔ پھر فرمایا کہ نفس امّارہ کا اتباع کرنے والوں کے لئے دنیا میں آتش شہوت اور آخرت میں آتش عقوبت ہے۔ لہٰذا آج جو کوئی شہوت کی آگ سے کھیلتا رہیگا کل آتش عقوبت سے سزایاب ہوگا۔ اور جو کوئی آج شہوت کی آگ پر ریاضت کا پانی ڈال دیگا تو دنیا ہی میں اس کا دل جنت عرفان کا نمونہ ہوگا۔ اور کل جنت رضوان سے لطف اندوز ہوگا۔

ترک ہوی کے مدارج حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں:۔ ان اللہ لم یخلق خلقا اخبث من الھوی۔ اللہ سبحانہ نے خواہشات نفسانی سے خبیث تر کوئی مخلوق نہیں پیدا کی۔" خواہشات نفس امارہ کو چھوڑنے کے بھی مدارج ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور سلف صالحین کے اجماع سے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اسی سے انسان مومن کہلاتا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ میں

اس کا شمار ہوتا ہے۔ اوسط درجہ یہ ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؒ نے فرمایا:۔ ان یھتم الرجل المعصیۃ فیذکر مقامہ للحساب فیترکھا۔ انسان کسی معصیت کا قصد یا اہتمام کرے پھر اللہ سبحانہ کے حضور میں حساب دہی کے لئے کھڑے ہونے کا منظر پیش نظر ہوتے ہی اس کو چھوڑ دے۔" اس درجہ کی تکمیل کے لئے انسان کو شبہات سے بھی بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مباحات میں سے صرف بقدر حاجت وضرورت ہی استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من الاسراف ان تاکل کل ما اشتھیت۔ (ابن ماجہ بیہقی عن انسؓ) یہ بھی اسراف میں داخل ہے کہ تمھارا جی جن جن چیزوں کو کھانا چاہے ان سب کو کھا لیا کرو۔" گو اکل حلال ہی کیوں نہ ہو۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ نفس امارہ کے بعض وسیسے اور شیطانی چالیں نیکیوں کی صورت میں درپیش ہوتی ہیں۔ یہ خرابیاں چونکہ حسنات اور نوافل وطاعات کے لباس میں ہوتی ہیں اس لئے انسان یہاں دھوکہ کھا جاتا ہے اور نفس وشیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس سے بچاؤ کا طریقہ رجوع الی الشیخ ہے۔ اور اگر وہ موجود نہ ہو تو استغفار اور توبہ وانابت سے کام لے۔ اور ہمیشہ اس کا خیال رکھے کہ میری طاعت وعبادت کچھ نہیں۔ اللہ سبحانہ کے فضل وعنایت ہی سب کچھ ہے۔ لہذا ہر دم اسی کا طلبگار اور خواستگار رہے نفس کے وساوس میں نہ پھنس جائے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں:۔

وخالف النفس والشیطان واعصهما — وان هما محضاك النصح فاتهم

ولا تطع منهما خصما ولا حکما — فانت تعرف کید الخصم والحکم

یعنی نفس وشیطان کے وسوسوں کا ہمیشہ خلاف کیے جاؤ اور ان کی ایک نہ مانو' اگر وہ
مخلصانہ نصیحت بھی کرتے ہوں اور خود کو آپ کا خیر خواہ ظاہر کرکے بھی کوئی بات بتاتے
ہوں تو ان کے مشوروں کو قبول نہ کرو بلکہ ان کو ہمیشہ متہم ہی کرتے رہو کہ اس میں بھی
تمھاری کوئی نہ کوئی شرارت ضرور داخل ہے ۔ وہ فریقانہ حیثیت سے پیش ہو کر یا ثالث
اور غیر جانب دار بن کر بھی کسی امر کی رہنمائی کریں تو ان کی ایک نہ مانو کیونکہ تم جانتے
ہو کہ تمھارا فریق یا زبردستی بنا ہوا حاکم کب تمھاری خیر خواہی کر سکتا ہے ؟ وہ تو مکر و
فریب ہی سے کام لیگا ۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ 79-42
ذِكْرٰهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝ 79-43 79-44
كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۝ 79-45 79-46

پوچھتے ہیں آپ سے وہ گھڑی کہ کب ہوگا اس کا قیام' آپ کو اس کے بیان سے
کیا کام ؟ آپ کے رب کی طرف ہے اس کا انجام' آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اسکو
جو (اس ساعت کا) ڈر رکھتا ہے انھیں ایسا معلوم ہوگا جس دن وہ دیکھیں گے

اس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح "۔

قیامت کب ہے کسی کو معلوم نہیں یعنی کفار قریش، ساعت قیامت کا بیان سننے کے بعد اے نبی کریم! آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس کا ٹھہراؤ کب ہے؟ اور وہ ساعت کب آئیگی؟ ایسا سوال وہ ہمیشہ کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اس کا باعث دو چیزیں تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ تک جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب کے سب قیامت کا خوف دلاتے رہے لیکن ہزار ہا سال گزرنے پر بھی یہ ساعت اب تک نہیں آئی۔ آخر آئیگی تو کب آئیگی؟ دوسرا یہ کہ کفار اس کے منکر تھے اس لئے بطور استہزا یہ سوال کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کفار کے بار بار پوچھنے کی بنا پر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی خیال گزرتا کہ اگر اس کا وقت بتا دیا جاتا تو ٹھیک ہوتا چنانچہ حضرت طارق بن شہاب رضی فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ذکر الساعۃ حتی نزلت فیم انت من ذکرٰھا الی ربك منتھٰھا فکفّ عنھا۔ (عبد بن حمید، نسائی، ابن جریر، طبرانی، ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساعت قیامت کا ذکر اکثر فرمایا کرتے تا آنکہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کا وقت بیان کرنے سے آپ کو کیا کام ہے؟ اس کا انجام آپ کے پروردگار کے ہاں ہے، اس پر آپ رُک گئے "۔ حضرت ام المومنین

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئال عن الساعۃ حتی انزل علیہ فیم انت من ذکرھا الی ربک منتھاھا فلم یسئال عنھا۔ (بزار، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساعت قیامت کی نسبت دریافت فرمایا کرتے تھے تاآنکہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) آپ کو اس سے کیا کام؟ اس کا علم آپ کے پروردگار پر ہی ختم ہے" تو پھر آپ نے اس کا سوال کبھی نہیں فرمایا" اس حدیث کو حضرت صدیقہ کے ہمشیرزادے حضرت عروہ نے بھی آپ سے بروایت مرسل روایت کی ہے۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ)

قیامت صغریٰ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ کانت الاعراب اذا قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سألوہ عن الساعۃ فینظر الی احدث انسان فیھم فیقول ان یعش ھذا قرنا قامت علیکم ساعتکم۔ (ابن مردویہ) کبھی اعرابی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتے تو آپ سے ساعت قیامت کے بارے میں دریافت کرتے (کہ وہ ساعت کب آئیگی) اس پر آپ حاضرین میں سے کسی بالکل نوعمر شخص کی طرف نظر کرکے فرمایا کرتے کہ اگر یہ ایک قرن تک زندہ رہے تو تمھاری قیامت قائم ہو جائیگی" یہ قیامت صغریٰ کی طرف اشارہ ہے (جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے من مات فقد قامت قیامتہ جو مرجائے اسکی قیامت تو قائم ہوگئی") کیونکہ قرن سے ایک صدی مراد ہوتی ہے

اور سو سال کے عرصہ میں دنیا کی موجودہ بستی ختم ہو جاتی اور دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

انت من ذکرھا کی دوسری تفسیر | بعض مفسرین کرام نے اس آیۂ کریمہ انت من ذکرھا کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ اے نبی کریم! آپ کی بعثت خود ساعت قیامت کی ایک واضح تفسیر ہے۔ یہ اس طرح کہ کتب سابقہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس کو "نبی آخر الزماں" اور قرآن کریم میں "خاتم النبیین" کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی نہ آئیں گے۔ اور جیسا کہ خود آپ نے بصراحت ارشاد فرمایا: بعثت انا والساعۃ کھاتین ان کادت لتسبقنی۔ میں اور قیامت ان دو (انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ) بھیجے گئے ہیں۔ قریب تھا کہ ساعت قیامت مجھ سے سبقت کر جاتی۔" آپ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی دونوں کو دراز کر کے فرمایا کہ یہ دو انگلیاں جیسی ساتھ ساتھ ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے۔ قریب تھا کہ ساعت قیامت مجھ پر سبقت کر جائے مگر میں اس پر سبقت لے گیا۔ جیسا کہ کلمہ کی انگلی سے درمیانی انگلی کچھ آگے بڑھی ہوئی ہے۔ قیامت کے آنے کیلئے زیادہ دیر نہیں ہے دنیا کے اہم ترین واقعات میں سے ایک میری آمد آمد ہے اور اس کے بعد اہم ترین واقعہ اگر کوئی ہے تو وہ واقعہ قیامت ہی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں دوسری جگہ اسکی تعبیر و لتنظر نفس ما قدمت لغد سے فرمائی گئی کہ ہر نفس کو دیکھ لینا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے یعنی قیامت کے دن کیلئے

اپنے عمل کا کوئی توشہ زادِ راہ ابھی سے بھیج دیا ہے؟ "غد" آنیوالے کل کے دن کو کہتے ہیں۔ اسی بناء پر فارسی کا یہ مقولہ ہے کہ فردا گویند و فردائے قیامت مراد مے گیرند۔ ایہ انت من ذکرھا کے معنی یہ ہوئے کہ آپ خود اسکی یاد دہی فرمانے والے ہیں۔ اس صورت میں فیم پر وقف کرنا مستحسن ہوگا۔ تاکہ انت من ذکرھا مستقل جملہ قرار پاسکے۔

منذر من یخشاھا کی تفسیر | اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا۔ آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں ان کو جو اسکی ہیبت رکھتے ہیں"۔ یعنی اے نبی کریم! آپ کو قیامت کا وقت، دن، تاریخ، سنہ بتانے کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ اس کا علم تو ہم پر ختم اور منتہی ہے۔ آپ کو اس کا ڈر سنانے اور اسکی اہمیت جتانے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا آپ صاف کہہ دیجئے کہ اس کا ٹھیک وقت مجھے خود نہیں بتایا گیا لہٰذا میں تم کو کس طرح بتا سکتا ہوں اور نہ یہ میرے فریضے میں داخل ہے میرا کام تو صرف اس کا ڈر سنانا ہے اور بس۔ بہرحال یہ بتانا منظور ہے کہ ساعت قیامت کا وقت جو مقرر ہے اس کو پوچھنے سے کچھ فائدہ نہیں اسمیں جتنی بھی تاخیر ہو وہ تمھارے لئے غنیمت ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کام کئے جاؤ جو فردائے قیامت میں تمھارے لئے کارآمد ہو۔ چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا۔ آپ تو صرف ڈرسنانے والے ہیں انکو جو ساعت قیامت کی ہیبت دل میں رکھتے ہیں۔ آپ تو تمام لوگوں کو ڈرسنانے تھے لیکن اس سے حقیقی فائدہ اٹھانیوالے چونکہ وہی ہیں جن کے دلوں میں قیامت کی ہیبت جاگزیں ہو۔ اسلئے یہاں اہل ہیبت کا بیان خصوصیت کے ساتھ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک دفعہ

ایک صحابی نے آپ سے قیامت کا وقت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ما اعددت لها۔ تم نے اسکے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اور کونسا زاد راہ مہیا کیا ہے۔ مطلب یہ کہ لایعنی باتوں سے کچھ فائدہ نہیں کام کی باتیں کیا کرو۔ آخر پر ارشاد ہو رہا ہے:۔

کانهم یوم یرونها کی تفسیر | كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا۔

(کفار تو قیامت کے باب میں جلدی کر رہے ہیں اسی لئے وہ آکر اس کا وقت دریافت کرتے جاتے ہیں حالانکہ وہ اپنے وقت پر آہی جائیگی۔ جس دن وہ اس ساعت کو دیکھ لینگے تو انکو ایسا معلوم ہوگا گویا وہ (دنیا میں اور برزخ میں) نہیں ٹھہرے مگر اتنی ہی دیر کہ زوال آفتاب سے غروب تک یا طلوع سے زوال تک۔" اس کا اندازہ ہم خود اپنی گزشتہ عمر پر نظر کرکے قائم کرلے سکتے ہیں، جوان لوگ یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ لڑکپن کا جو زمانہ تھا وہ کل کی بات ہے۔ اور بوڑھے بھی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ لڑکپن اور جوانی کا عالم ایک خواب تھا یا مثل چشم زدن میں ختم ہو چکا۔ اور اب اس کا کوئی اثر باقی نہیں ہے حالانکہ سالہا سال گزر چکے۔ حضرت قتادہؓ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ تدق الدنیا فی اعین القوم حین عاینوا امر الآخرۃ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) جب لوگ دار آخرت اور اس کے معاملات کو دیکھ لینگے تو دنیا کا دور انکی نظروں میں بالکل صغیر حقیر معلوم ہوگا۔" بجائے موجودہ جو بھی موقع ہمیں اپنی عاقبت کے سنوارنے کا حاصل ہے اسکو غنیمت جانکر اصلاح حال کی فکر کریں۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

سورۂ نازعات کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ)